الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

# اشرفیہ

مبارکپور

نومبر ۲۰۰۸ء

مبارک حسین مصباحی

یادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

۷۸۶

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

# ماہنامہ اشرفیہ

نومبر ۲۰۰۸ء

ذوالقعدۃ ۱۴۲۹ھ

جلد نمبر ۳۲ شمارہ ۱۱



## ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت فی شمارہ : 12 روپے
سالانہ: 130 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون / فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 400 روپے

دیگر بیرونی ممالک

15 $ امریکی ڈالر 10€ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

# نگارشات







اداریہ

# دہشت گردی کا خاتمہ ضروری ہے

شکیل احمد مصباحی

گزشتہ چند سالوں سے ملک کے حالات انتہائی نازک اور حساس ہو چکے ہیں۔ وہ صوبے جہاں دہشت گردی کے حوالے سے خاموشی کی بساط بچھی ہوئی تھی، خوف و دہشت کے مہروں سے پٹ چکے ہیں۔ عام لوگ اس قدر بے چینی اور عدم تحفظ کا شکار ہیں کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر اور خریداری کے لیے بازار جانا بھی ڈر کے سائے میں ہونے لگا ہے۔ خاص کر یہاں کی اقلیت کے ساتھ سوتیلے رویوں نے تو وہ تکلیف دہ پہلو سامنے لایا ہے، جس کی کسک صدیوں محسوس ہوگی۔ مختلف شہروں اور مذہبی مقامات پر وقفے وقفے سے سیریل بم دھماکے ہوئے، جن میں ہزاروں جانیں گئیں، مگر افسوس کہ تمام دھماکوں کی تحقیقات سے قبل الزام صرف مسلم تنظیموں کے سر ڈال دیا گیا، پھر اسی نہج پر تحقیقات شروع ہوئیں اور دھڑ ادھڑ مسلم نوجوانوں کی گرفتاریاں اور فرضی انکاؤنٹرز نے عام مسلمانوں کو اضطراب میں مبتلا کر دیا گیا۔ یہی نہیں اخبارات اور نیز چینلوں پر کوراسٹوری کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ مسخ کر دینے کے ساتھ برادرانِ وطن کے دلوں میں نفرت و عداوت کے بیج بھی بو دیے گئے۔ ایل کے اڈوانی جیسے منہ زور نیتا یہ کہنے لگے کہ سارے مسلمان دہشت گرد نہیں پر سارے دہشت گرد مسلمان ہیں۔ ملکی سیاست کے ایک ذمہ دار شخص کو یہ تو نظر آ گیا کہ سارے دہشت گرد مسلمان ہیں مگر کیا انھوں نے کبھی سارے واقعات کی انصاف پسندانہ تحقیقات کے لیے آواز اٹھائی؟ مسلمانوں کے مطالبات پر کان دھرا کہ انھیں انصاف مل سکے؟ اور آج وہ یہ کہنے کی جرأت کریں گے کہ سارے ہندو دہشت گرد نہیں پر سارے دہشت گرد ہندو ہیں۔

حالیہ تحقیقات اور گرفتار مسلم نوجوانوں کی روداد منظر عام پر آ جانے کے بعد سے سنگھ پریوار، اس کی تمام ذیلی تنظیموں اور پولیس کی زیادتیاں بے نقاب ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اگر ملک سے دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو آر. ایس. ایس.، بجرنگ دل اور ان کے نقش قدم پر چل رہی دیگر تمام ہندو تنظیموں پر بھی پابندی لگانی ہوگی۔ ساتھ ہی پولیس کے تحقیقاتی دستے میں بھی مسلمانوں کی شمولیت کو لازمی حیثیت دینی ہوگی تاکہ سچائی پورے طور پر سامنے آ سکے، کیوں کہ ہندو تنظیموں کے دائرۂ اثر سے جب فوجی افسران ہی محفوظ نہیں ہیں تو دیگر شعبوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنا وقت کا تقاضا ہے۔ اس سلسلے میں روز نامہ راشٹریہ سہارا 4 نومبر 2008ء کے حوالے سے وہ خبر پیش ہے جو بی جے پی سے تعلق رکھنے والی سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر اور فوجی افسروں کی مالے گاؤں بم دھماکہ میں گرفتاری کے بعد شائع ہوئی۔

”ذرائع کے مطابق سادھوی کے مالے گاؤں بم دھماکہ میں شامل ہونے کے کافی شواہد سامنے آئے۔ عینی شاہدین نے دعوا کیا کہ انھوں نے رام جی کال ساگرے، اور پرگیہ سنگھ کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سنا۔ رام جی نے پرگیہ کو بتایا کہ اس کی موٹر سائیکل کو بم دھماکہ میں استعمال کیا گیا ہے اور کسی بھی طرح پولیس اس سراغ تک نہیں پہنچ سکتی۔ بتایا جاتا ہے کہ رام جی مالے گاؤں بم دھماکہ کا ماسٹر مائنڈ ہے، وہ فی الحال فرار ہے اور اس کا بھائی پولیس حراست میں ہے۔ عینی شاہدین نے مجسٹریٹ کے سامنے تعزیرات ہند کی دفعہ 164 کے تحت گواہی دی۔ اس دوران ابھینو بھارت اور شیو سینا نے عدالت کے باہر مظاہرہ کیا۔ واضح رہے کہ مہاراشٹر پولیس نے فوج کے دو سابق افسروں رمیش اپادھیائے اور سمیر کلکرنی کو بھی اس معاملہ میں گرفتار کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دیگر لیفٹیننٹ کرنل ایس پروہت کو پنچ مڑی سے پکڑ کر لایا گیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ لیفٹیننٹ کرنل کے جو اس وقت سروس میں ہے، رمیش اپادھیائے اور کلکرنی سے گہرے تعلقات تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ سیاست کے بازار میں نفرت و تعصب کی گولیاں بیچنے والے سنگھی ذہنیت کے لوگ ان حالات میں بھی اپنی دکانیں کھلی رکھیں گے یا سنجیدگی کے ساتھ وطن اور ہم وطنوں کی حفاظت کے ٹھوس اقدامات کریں گے۔ دہشت گردی کے واقعات کی غیر جانب دارانہ تحقیقات ہی اس مسئلے کے خاتمہ کا اصل علاج ہے۔ اس لیے کہ ملک دشمن عناصر خواہ وہ کسی مذہب اور شعبے سے تعلق رکھتے ہوں، امن و یک جہتی

کے لیے ناسور ہیں۔ ان کی روک تھام کے لیے سخت قوانین اور سزائیں ضروری ہیں ساتھ ہی ان افراد کی بھی نکیل کسنے کی ضرورت ہے جو دہشت گردی کو مذہب سے جوڑ کر دیکھتے ہیں اور اپنی فتنہ انگیز بیان بازیوں کے ذریعہ خوش گوار ماحول خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ جیسا کہ رمضان المبارک کے مہینے میں اعظم گڑھ یوپی میں گورکھپور سے بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ یوگی آدتیہ ناتھ نے دہشت گردی کے حوالے سے مسلمانوں کو کھلے عام نشانہ بنایا، شہر کے مسلم اکثریتی علاقے سے اپنے قافلے کو انتظامیہ کی اجازت نہ ہونے کے باوجود گزارتے ہوئے مسلم مخالف نعروں سے جذبات کو برانگیختہ کیا، نتیجے میں شہر کا پر امن ماحول خراب ہو گیا اور پولس حالات پر کنٹرول کرنے کے بجائے خاموش تماشائی بنی رہی۔

اسی طرح گزشتہ دنوں دہشت گردی کے نام پر گرفتار کیے گئے لوگوں کے مقدمات کی پیروی کا وکیلوں کے ذریعہ بائیکاٹ اور عدالتی احاطے میں پٹائی، بٹلہ ہاؤس کا فرضی انکاؤنٹر کیس، گجرات پولس کے ذریعہ بے قصور مسلمانوں کی غیر آئینی طریقے سے گرفتاری کی کوشش وغیرہ ایسے واقعات ہیں جنھوں نے ہندستانی مسلمانوں کو خوف و دہشت کے سائے میں جینے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان واقعات کے تعلق سے مسلمانوں کا ایک سنجیدہ اور دانش ور طبقہ چیخ چیخ کر کہ رہا ہے کہ دہشت گردی سے عام مسلمانوں کا کچھ لینا دینا نہیں، جو لوگ دہشت گرد ہیں انھیں سزائیں دی جائیں لیکن اس کا رشتہ مذہب سے نہ جوڑا جائے، عام مسلمانوں کو محض شکوک و شبہات کی بنا پر مشق ستم نہ بنایا جائے، باوجود اس کے یہ کھیل نہ رکا۔

اب جو رپورٹیں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں گشت کر رہی ہیں ان میں صرف اور صرف وہ ہندو چہرے دکھائی دے رہے ہیں جن کے رشتے آر ایس ایس اور بجرنگ دل پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تمام نہاد سیکولر سیاسی لیڈران بھی زور و شور سے ان تنظیموں پر پابندی لگانے کی بات کر رہے ہیں۔ چناں چہ مسٹر دگ وجے سنگھ سابق وزیر اعلیٰ ایم پی نے واضح الفاظ میں تنقید کرتے ہوئے کہا کہ:

تشدد آر ایس ایس کے کلچر کا حصہ رہا ہے اور آر ایس ایس کی سو سے زائد تنظیمیں اس کلچر پر عمل کر رہی ہیں۔

مرکزی وزیر ریلوے لالو پرساد یادو نے اپنے ایک بیان میں سخت موقف کا اظہار کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ مالے گاؤں بم دھماکوں کے پیچھے گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی اور شیو سینا سربراہ بال ٹھاکرے کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ مالے گاؤں بم دھماکہ کیس میں اہم ملزم سادھوی پرگیہ سنگھ کا بی جے پی سے براہ راست تعلق تھا اس لیے بی جے پی، سنگھ پریوار، شیو سینا اور درگا واہنی وغیرہ ایک ہی تنظیم کے الگ الگ مکھوٹے ہیں۔ حالاں کہ ان بیانات پر ردعمل کے طور پر کوئی بات سننے کو نہیں ملی جب کہ کچھ دنوں قبل ہی بال ٹھاکرے نے سماج وادی پارٹی کے جنرل سکریٹری امر سنگھ کو مسلم ہمدردی میں دیے گئے بیان کے سبب پاکستان بھیجنے کا مشورہ دیا تھا۔

معروف آریہ سماجی رہنما اگنی ویش نے بھی اپنی ایک پریس کانفرنس میں وضاحت کی کہ مالے گاؤں اور موداسا میں بم دھماکے آر ایس ایس اور اس سے جڑی ہندو فرقہ پرست تنظیموں ہی نے کیے ہیں۔ اس سلسلے میں مسلسل نئے انکشافات ہو رہے ہیں اور ثبوت سامنے آ رہے ہیں۔ اس کا ایک سب سے بڑا ثبوت سدرشن چینل پر بم دھماکے کی بریکنگ نیوز ہے جو 9:30 منٹ پر ہی دکھائی گئی جب کہ بم دھماکے بھی 9:30 ہی پر ہوئے تھے۔ کوئی بھی عقل مند شخص اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی واردات کی بریکنگ نیوز ٹھیک اسی وقت کیسے دکھائی جا سکتی ہے جس وقت وہ واردات عمل میں آئی ہو۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس واردات کا چینل کو پہلے سے علم تھا اور اس معاملہ میں آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیمیں پوری طرح ملوث ہیں۔ سدرشن ٹی وی چینل کے مالک مہاراشٹر میں آر ایس ایس کے کٹر حامی ہیں۔

مذکورہ بیانات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ آر ایس ایس، بجرنگ دل اور ان کی تمام ذیلی تنظیمیں ملک کی سالمیت کے لیے انتہائی خطرناک ہیں اور تمام بم دھماکوں سے کہیں نہ کہیں ان کے تار ضرور جڑتے ہیں۔ شرط بس اتنی ہے کہ تمام وارداتوں کی غیر جانب دارانہ جانچ ہو۔ مشق ستم صرف مسلمان نہ بنائے جائیں بلکہ حالیہ واردات کی تفتیش کے ساتھ ماضی کے سانحات کی بھی تحقیقات انصاف کے ساتھ کی جائے۔ خاص کر پولس اور تحقیقاتی دستے پر شکنجہ کسا جائے جن کی زیادتیوں نے درجنوں مسلم گھرانوں کا چراغ گل کر دیا۔ اور نہ معلوم کتنے بے قصور جوانوں کو ناکردہ گناہوں میں ملوث کر کے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا۔



سوال و جواب

# فتاوائے حافظ ملت

ترتیب و تخریج: مبارک حسین مصباحی

## امامت اور اقتدا کے ضروری احکام

علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

(۱) اگر امام فرض قراءت کے اندر سہو کرے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر شافعی مذہب کے دس آدمی ہوں اور حنفی کے آٹھ ہوں تو کس جماعت کا آدمی پیش امام بنایا جائے، جس سے سب کی نماز ہو جائے یا دونوں کی تعداد برابر ہو؟

(۳) اگر غیر مقلد امام ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) ایک امام اہل حدیث ہے مگر فرض نماز حنفی طریقہ سے ادا کرتا ہے تو حنفی مصلیوں کی نماز ہوگی کہ نہیں؟

(۵) مقتدی امام کی تقلید نہ کرے تو اس مقتدی کی نماز ہوگی کہ نہیں؟

ان سوالوں کا جواب سلیس اور شستہ الفاظ میں تحریر کر کے روانہ فرمائیں۔

**الجواب**

(۱) مقتدی اپنے امام کو ضرورت پر فرض نماز میں بھی لقمہ دے سکتا ہے۔

(۲) تعداد کم ہو یا زیادہ امام حنفی ہی مقرر کیا جائے، کہ احتیاط اسی میں ہے۔

(۳) غیر مقلد، بدعقیدہ بدمذہب ہیں لہٰذا ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

(۴) اہل حدیث غیر مقلد بدعقیدہ ہیں لہٰذا ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

(۵) مقتدی پر امام کی اتباع ضروری ہے، رکوع، سجود، تمام ارکان نماز میں امام کی اتباع کرے، کوئی رکن بھی ترک کیا تو نماز نہ ہوگی، قراءت چوں کہ مقتدی کو منع ہے لہٰذا قراءت ہرگز نہیں کر سکتا۔

وھو تعالیٰ اعلم. کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

(نوٹ: مفصل مدلل جواب منسلک ہے)

**(۱)**---- اگر امام کو سہو ہو جائے تو مقتدی کو لقمہ دینا جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"و ان فتح علی امامه لم یکن کلاما استحسانا لانه مضطر الی اصلاح صلوته فکان ھذا من اعمال صلوته معنی."(۱)

ہاں اگر امام کو سہو ہوا، پھر اس نے دوسری آیت شروع کر دی تو اب مقتدی لقمہ نہ دے۔ اگر امام نے لقمہ لے لیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی اور مقتدی کی لقمہ دیتے ہی فاسد ہو چکی تھی۔ ہدایہ میں ہے:

"ولو کان الامام انتقل الی ایة اخری تفسد صلاة الفاتح و تفسد صلوة الامام لو اخذ بقوله لوجود التلقین و التلقن من غیر ضرورة."(۲)

واللہ تعالیٰ اعلم.

**(۲)**---- کسی حنفی نے اگر شافعی امام کی اقتدا کرنی چاہی تو اس کی تین صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں، ان میں مسئولہ صورت کا مکمل جواب ہو جاتا ہے۔

**(الف)**---- (۱) مذہب حنفی میں کسی زخم سے خون بہہ کر اس جگہ پہنچ جانا جسے حکمِ تطہیر ہو، (۲) منہ بھر کے قے کرنا، (۳) پچھنا لگوانا، وغیرہا امور ناقضِ وضو ہیں، ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور مذہب شافعی میں ان چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ہمارے مذہب میں بلا اعادۂ وضو اس صورت میں نماز باطل ہے اور شافعی مذہب میں درست۔ تو اگر حنفی مقتدی کو معلوم ہے کہ یہ امام ان امور میں احتیاط نہیں کرتا یعنی صرف مسلک شافعیت کی پابندی کرتا ہے، یا اس نے اس نماز میں احتیاط نہیں کی تو ایسی صورت میں اس کی اقتدا نہیں کرنی چاہیے، اگر کر گیا تو نماز نہ ہوگی۔ اگر ایک حنفی دس شافعی ہوں جب بھی یہی حکم ہے۔ طرفین کی کمی زیادتی سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ حوالہ کے لیے دیکھیے، اسی نمبر کی دفعہ (ب) اور (ج) کی عبارت منقولہ فقہیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

**(ب)**---- اور اگر معلوم ہو کہ کوئی شافعی المشرب مسائل طہارت و نماز میں ہمارے فرائضِ مذہب کی رعایت کرتا ہے، یا

(۱) ھدایه، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیھا، ج:۱، ص:۱۱۶ مطبوعه مجلس برکات، جامعه اشرفیه، مبارك پور

(۲) ھدایه، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیھا، ج:۱، ص:۱۱۶ مطبوعه مجلس برکات، جامعه اشرفیه، مبارك پور

معلوم ہو کہ اس نماز میں اس نے رعایت کی ہے یعنی اس کی طہارت ایسی نہ ہو کہ حنفیہ کے طور پر وہ طاہر نہ ہو اور اس کی نماز اس قسم کی نہ ہو کہ ہم اس کو فاسد کہیں تو حنفی ایسے شافعی کی اقتدا کر سکتا ہے، مگر اس صورت میں بھی اگر حنفی امام مل سکتا ہو تو افضل یہی ہے کہ حنفی ہی کو امام بنائیں۔ شامی میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ سے منقول ہے:

"ذهب عامة مشايخنا الى الجواز اذا كان يحتاط فى موضع الخلاف والا فلا و المعنى انه يجوز فى المراعى بلا كراهة و فى غيره معهائم المواضع المهمة للمراعاة ان يتوضأ من الفصد و الحجامة و القى و الرعاف و نحوذلك لا فيما هو سنة عنده مكروه عندنا ."(۱)

نیز اسی میں ہے:"ان الاقتداء بالمخالف المراعى فى الفرائض افضل من الانفراد اذا لم يجد غيره والا فالاقتداء بالموافق افضل ."(۲)

والله تعالىٰ اعلم.

**(ج)**---- اگر نہ معلوم ہو کہ ہمارے مذہب کی رعایت کرتا ہے اور نہ یہ معلوم ہو کہ اس نماز میں رعایت کی ہے تو اس کی اقتدا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

"ان تيقن المراعاة لم يكره او عدمها لم يصح و ان شك كره ."(۳)

سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ احکام واقعی شافعی المذہب شخص کے لیے لکھے گئے ہیں، زمانۂ حال کے وہابیہ غیر مقلدین کے لیے نہیں۔ یہ بھی بعض جگہ اپنے کو شافعی کہہ گزرتے ہیں، یہ ان کا تقیہ ہے۔ ایسی حالت میں دھوکا نہ کھائیں، ان کے پیچھے کسی صورت میں نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**(۳ و ۴)**---- غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔ یہ لوگ عقائد باطلہ رکھتے ہیں، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے اقوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے اور بعض ایسے ہیں جو ان توہینوں کی تصدیق کرتے ہیں اور سب ایسے ہیں کہ اسماعیل دہلوی مولف تقوية الايمان کو اور دیگر بد مذہبوں کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ ائمۂ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید شخصی کو گم راہی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد باطلہ دیکھنے ہوں تو رسالہ مباركه الكوكبة الشهابيه کا مطالعہ کیجیے۔ بہر صورت ان کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ ایسے ہی اُس فرقہ کے پیچھے بھی نماز نہ ہوگی جو اہلِ حدیث ہونے کا مدعی ہے۔ یہ فرقہ وہابیہ غیر مقلدین کے علاوہ کسی دوسری جماعت کا نام نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد باطلہ پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں۔ جو کوئی غیر مقلدین کا عقیدہ رکھتا ہو، اگرچہ وہ حنفی طور پر نماز پڑھتا ہو، اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ حنفی مقتدی کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ اس کا امام اس کے طور پر نماز پڑھتا ہو بلکہ اس کا صحیح العقیدہ ہونا بھی ضروری ہے۔ تفصیل کے لیے رسالہ النهى الاكيد کا مطالعہ کرو۔ والله تعالىٰ اعلم.

**(۵)**---- سائل کا مقصد کس قسم کی متابعت کو دریافت کرنا ہے، متابعت فی القراءت یا متابعت فی الارکان۔ مقتدی پر پہلی قسم کی متابعت نہیں یعنی جب امام نماز میں قرآن کریم پڑھے تو مقتدی اس میں امام کی متابعت نہ کرے، بلکہ خاموش رہے۔ اگر کوئی قراءت خلف الامام کرے گا تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ:

"وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ."(۴)

شامی میں ہے:"واختلف فى المتابعة فى الركن القولى و هو القراءة فعندنا لا يتابع فيها بل يستمع و ينصت و فيما عدا القراءة من الاذكار يتابعه ."(۵)

اسی میں ہے:"فلو قرأ خلف امامه كره تحريما ."(۶)

اور متابعت فی الارکان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عدم المسابقت۔ یہ فرض ہے، اس کو یوں سمجھو کہ کسی مقتدی نے کسی رکن کو امام سے پہلے ادا کیا پھر اس نے اس رکن کو نہ تو امام کے ساتھ ادا کیا نہ امام کے ادا کرنے کے بعد، اس صورت میں نماز باطل ہوگی۔ مثلاً امام سے پہلے مقتدی نے رکوع یا سجدہ کر لیا اور امام ابھی رکوع یا سجدہ میں آیا بھی نہ تھا کہ اس نے سر اٹھا لیا، اور جب امام رکوع یا سجدہ میں گیا تو اس

(۱) رد المحتار، كتاب الصلوٰة/باب الامامة، ج:۲، ص:۳۰۳-۳۰۲

(۲) رد المحتار، كتاب الصلوٰة/باب الامامة، ج:۲، ص:۳۰۳-۳۰۲

(۳) در مختار، كتاب الصلوٰة/باب الامامة، ج:۲، ص:۳۰۲، بيروت

(۴) الاعراف، آیت:۲۰۴

(۵) رد المحتار، كتاب الصلوٰة/باب صفة الصلاة، ج:۲، ص:۱۶۵

(۶) ايضاً، مطبوعه بيروت، لبنان





کے ساتھ رکوع یا سجدہ نہ کیا اور نہ بعد امام کے ادا کرنے کے تو اس کی نماز باطل ہوگئی۔ اور دوسری قسمِ متابعت، وہ یہ کہ امام کے پہلے بھی کوئی رکن ادا نہ کرے اور نہ بعد کو بلکہ ساتھ ساتھ، یہ واجب ہے۔

شامی میں ہے:

"(قوله و متابعته لا مامه فى الفروض) اى بان ياتى بها معه او بعده حتى لوركع امامه و رفع فركع هو بعده صح بخلاف مالوركع قبل امامه و رفع ثم ركع امامه ولم يركع ثانيا مع امامه او بعده بطلت صلاته فالمراد بالمتابعة عدم المسابقة نعم متابعته لامامه بمعنى مشاركته له فى الفرائض معه لا قبله ولا بعده واجبة .(الى قوله) و احترز بالفروض عن الواجبات والسنن فان المتابعة فيها ليست بفرض فلا تفسد الصلاة بتركها ."(۱) والله تعالىٰ اعلم.

غلام الجیلانی الاعظمی عفی عنہ، مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم

## بیوی لاپتہ شوہر کا کتنا انتظار کرے

علمائے دین شرع متین اس کے متعلق از روئے شریعت کیا ارشاد فرماتے ہیں:

کرامت اللہ انصاری کی لڑکی جس کی عمر ۲۴ سال کے قریب ہے۔ کچھ روز تک ایامِ بلوغت میں اپنے شوہر کے پاس رہ چکی ہے، مگر تین سال سے اس کا شوہر لاپتہ ہو گیا ہے۔ حالاں کہ اس کے شوہر کا پتہ ہندستان و پاکستان دونوں مقامات پر دریافت کیا گیا، مگر کسی جگہ نہیں چلا، اور جو کچھ بھی ذرائع پتہ لگانے کے ملے اس سے بھی دیگر جگہوں پر تلاش کیا گیا مگر لاحاصل۔ لہٰذا ایسی صورت میں کرامت انصاری کی لڑکی دوبارہ نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں، اور دوبارہ نکاح کرنے کے لیے کن کن شرائط کو پورا کرنا ہوگا؟

المستفتی: ماسٹر محمد عمر، بانی جوٹ مل اسکول، ہوڑہ، ۱۶؍فروری، ۱۹۵۰ء

**الجواب**

مفقود اور اس کی زوجہ میں تفریق اس وقت کی جائے گی جب ظن غالب ہو جائے کہ وہ مر گیا ہوگا، اور اس کی مقدار یہ ہے کہ اس کی عمر سے ستر برس گزر جائیں۔ اب قاضی اس کی موت کا حکم دے گا۔ اور عورت عدت وفات گزار کر نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے (فتح القدیر) از بہار شریعت۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب تک کہ شوہر کی عمر ستر برس نہ ہو وہ بدستور اس کی بیوی ہے، اس پر شوہر کا انتظار ضروری ہے، نکاح نہیں کر سکتی۔ والله تعالىٰ اعلم.

**نوٹ:** -اب اس کا حل دار القضا سے ایک دوسرے طریقے پر ہو سکتا ہے۔ وقت ضرورت کسی معتبر دار القضا سے رجوع کریں۔ (مبارک حسین مصباحی)

## تجہیز و تکفین کے بعد اذان دینے کا حکم

قبر کے پاس بعدِ تجہیز و تکفین، اذان دینا شرعاً کیسا ہے؟ براہِ کرم مع عبارات وحوالہ کتب ارقام فرمائیں۔ فقط کاظم الدین عفی عنہ

**الجواب**

اللهم هداية الحق والصواب

بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا ہے اور بعض نے اختلاف بھی کیا ہے۔ چناں چہ رد المحتار باب الاذان میں ہے:

"قيل وعند انزال الميت القبر قياسا على اول خروجه للدنيا لكن رده ابن الحجر فى شرح العباب ."(۲)

یعنی بعض علما نے فرمایا کہ میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان سنت ہے، یہ قیاس کرتے ہوئے کہ میت کی پیدائش کے وقت اذان مسنون ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے شرح العباب میں اس کا رد کیا ہے۔ علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اگرچہ اس میں اختلاف کیا ہے، مگر دوسرے علمائے محققین و مفتیانِ دین نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ قبر پر بہ وقت دفن اذان کا جواز یقینی ہے کیوں کہ شریعتِ مطہرہ میں اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں اور کوئی امر بلا شرع کی ممانعت کے ممنوع نہیں ہو سکتا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا نے اذان کے اثبات میں ایک رسالہ بنام "ايذان الاجر فى اذان القبر" تصنیف فرمایا ہے، اور بزرگانِ دین نے اس اذان کے بہت سے فوائد بھی بیان فرمائے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ بعد دفن سوالِ نکیرین

(۱) رد المحتار، كتاب الصلوٰة/باب صفة الصلاة، ج:۲، ص:۱۳۹

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة باب الأذان، ج:۲، ص:۵۰، مطبوعه بيروت، لبنان

کے وقت شیطان میت کو بہکاتا ہے۔ چناں چہ روایت ہے:

"اذا سئل المیت من ربك ترائی له الشیطان فی صورة فیشیر الی نفسه أی انا ربك۔"(۱)

یعنی جب مردہ سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔

اور اذان کے فضائل میں یہ حدیث مروی ہے کہ:

"اذا اذّن المؤذن ادبر الشیطان وله حُصاص."(۲)

یعنی موذن جب اذان پکارتا ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ چھتیس میل دور بھاگ جاتا ہے۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ سوالِ نکیرین کے وقت شیطان بہکاتا ہے اور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ تو بہ وقت دفن قبر پر اذان پکار دینے میں بلاشبہہ اپنے میت بھائی کو شیطان کے شر سے بچانا اور نیز اس کو جوابِ صحیح یاد دلانا اور اس کی وحشت و غم کو دور کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایسے عظیم الشان فوائد و مبارک مقاصد ہیں جن کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالا مال ہیں، لہٰذا ان مبارک مقاصد کے لیے اگر کوئی شخص بہ وقت دفن قبر پر اذان پکار دے تو بلاشبہہ جائز بلکہ باعث اجر عظیم ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمه جل مجده اتم و احکم

کتبہ: فقیر مجددی عبد المصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

خادم الطلبہ دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

الجواب هو الحق والصواب و المجیب العلام مصیب و مثاب

عبد العزیز عفی عنہ، صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

## ثبوتِ رضاعت اور رضاعی چچا کا بھتیجی سے نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ "عابد" بی بی فہیما کے شوہر کے بھائی کا لڑکا ہے۔ عابد کی والدہ کے مرنے کے بعد تقریباً آٹھ یا نو ماہ کی عمر سے بی بی موصوفہ نے اس بچہ کی پرورش شروع کی۔ عابد کی پیدائش ۱۳۴۷ھ بمطابق ۱۹۲۸ء میں ہوئی تھی۔ ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ اس بستی کی تقریباً زیادہ عورتیں بستی چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں ایک ہی آنگن میں چھ ماہ تک رہیں۔ اسی دوران میں بہت سی عورتوں نے بی بی فہیما کو عابد کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا جن کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔ بی بی فہیما کہتی ہے کہ ہم نے عابد کو کبھی دودھ نہیں پلایا۔ اب تھن سے لگانے کا بھی انکار ہے۔ بی بی موصوفہ اپنی پوتی سے عابد مذکور کا نکاح کرنا چاہتی ہیں، آیا شرعاً یہ نکاح جائز ہے یا نہیں اور اس تقریب میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۱) بی بی نعیمہ گواہ کہتی ہیں کہ ہم نے دودھ پلاتے ہوئے اس وقت دیکھا جب کہ عابد کی عمر تقریباً سات ماہ کی تھی۔ اس کے کئی سال کے بعد ہماری بچی کو چند عورتوں نے جہاں ہم لوگ ایک ہی آنگن میں تھے، بی بی فہیما کی گود میں مذاقاً ڈال دیا، انھوں نے بچی کو تھن سے لگایا۔ جب میں ان کے قریب پہنچی تو بچی کو دودھ پیتے ہوئے پایا۔ دریافت کیا کہ آپ نے بچی کو کیوں دودھ پلایا؟ انھوں نے کہا کہ دودھ ہم کو نہیں ہوتا ہے، لیکن بچی کے لب میں ہم نے دودھ لگا ہوا پایا۔

(۲) بی بی آسمہ گواہ کہتی ہیں کہ جب بچی کو رات میں دودھ پلایا تب صبح کو ان کے انکار پر ہم لوگوں نے دودھ جانچا، جس پر دونوں تھن سے دودھ نکلا اور عابد کو اکثر دودھ پیتے ہوئے دیکھا، عابد کی عمر کی مجھے خبر نہیں۔

(۳) بی بی نسیمہ گواہ کہتی ہیں کہ ہماری بہن کی نیند آزمانے کے لیے بی بی فہیما کی گود میں ان کی بچی کو دے دیا گیا، جب میری بہن جگیں تو اپنی بچی کی تلاش میں ان کے قریب جا کر دیکھا کہ دودھ پلا رہی ہیں۔ دریافت کرنے پر انھوں نے دودھ سے انکار کیا۔ صبح کو ہم لوگوں نے ان کے تھن سے دودھ گار کر دیکھا دودھ نکلا، اور عابد کو اکثر ہم نے دودھ پیتے ہوئے دیکھا۔

(۴) بی بی معصوما گواہ کہتی ہیں کہ ہم نے عابد کو فہیمہ کے تھن سے اکثر لگا ہوا دیکھا۔ دریافت کرنے پر انھوں نے کہا کہ دودھ نہیں ہوتا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کو دودھ ہوتا تھا، شاید انھوں نے کوئی دوا استعمال کر کے دودھ پیدا کیا۔ اس کی عمر تقریباً دو سال کی تھی۔

(۵) بی بی شفیقاً گواہ کہتی ہیں کہ ہم نے اکثر دودھ پلاتے دیکھا، لیکن دودھ نہیں دیکھا، اس وقت اس کی عمر تقریباً چار سال کی ہوگی۔

(۶) کنیز فاطمہ گواہ کہتی ہیں کہ ہم نے دودھ پلاتے ہوئے ایک مرتبہ

---

(۱) نوادر الاصول فی معرفة احادیث الرسول، ج:۲، ص: ۳۶۳ مطبع دار الدیان للتراث

(۲) مسلم شریف، ج:اول، ص:۱٦٥، مطبع فاروقیه بك ڈپو، دهلی





اس طرح دیکھا کہ بی بی فہیما چت لیٹی ہوئی تھیں اور عابد تھن سے لگا ہوا تھا۔ عابد کے لب پر تری تھی۔ نہیں کہہ سکتی ہوں کہ دودھ کی تری تھی یا رال کی، عابد کی عمر تقریباً تین سال کی ہوگی۔

(۷) حافظ سید شہاب اشرف گواہ، سید بشیر اشرف و حکیم سید مجیب اشرف و سید جلیل اشرف صاحبان کے سامنے انھوں نے اقرار کیا کہ ہم نے عابد کو دودھ پیتے ہوئے بچپن میں دیکھا۔ لیکن ایک عام مجلس میں جب ان سے دریافت کیا گیا تو وہ بالکل خاموش ہوگئے۔ اس پر حکیم مجیب اشرف نے شہاب اشرف کی گواہی کا اقرار کیا اور سید بشیر اشرف نے کہا کہ مجھے خیال نہیں۔ سید سلام اشرف نے ان کی گواہی کا اقرار کیا، لیکن سید مرتضیٰ اشرف نے کہا کہ مجھے خیال نہیں۔ بینوا توجروا

**الجواب**

اللهم هداية الحق والصواب

ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے بہ شرطے کہ سب عادل ہوں، رضاعت کا شرعی ثبوت ہو جاتا ہے اور فقط عورتوں کی شہادت سے بھی احتیاطاً ثبوت رضاعت مان کر نکاح روک دیا جائے گا (جوہرہ)۔ صورت مسئولہ میں اگر حسب شرائط ایک مرد سید شہاب اشرف اور چند عورتوں کی شہادت موجود ہے تو رضاعت کا ثبوت یقینی ہے۔ لہٰذا عابد کا نکاح بی بی فہیما کی پوتی سے درست نہیں کہ عابد اس صورت میں بی بی فہیما کی پوتی کا رضاعی چچا ہے اور چچا بھتیجی میں نکاح حرام ہے۔

قال تعالیٰ: "وَبَنَاتُ الْاَخِ."(۱)

و قال علیه الصلاة والسلام: "ان الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب."(۲)

اور ناجائز مجلسِ عقد میں برادری کی شرکت بھی حرام و باعث گناہ ہے۔

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ." (۳)

والله تعالیٰ اعلم و علمه جل مجده اتم و احکم

کتبہ: فقیر مجددی عبد المصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

خادم الطلبہ دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور

الجواب صحیح۔ عبد العزیز عفی عنہ

---

(۱) قرآن مجید، سورة النسآء، آیت:۲۳

(۲) جامع الترمذی، کتاب الرضاعة، ص: ۱۳۷، مطبوعه مجلس برکات، جامعه اشرفیه، مبارك پور

**ص: 22 کا بقیہ..........**

معادی، مخالف، سب نے دی۔ کلاباذی نے تخریج کی کہ ایک آدمی نے حضرت معاویہ سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے کہا علی سے دریافت کر لو، وہ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اس نے کہا، میں آپ کا جواب چاہتا ہوں۔ فرمایا افسوس تجھ پر تم ایسے شخص کو ناپسند کرتے ہو جس کے علم و فضل کی تعریف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور اکابر صحابہ جن کے علم کا اعتراف کرتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حکومت کے ایک ملازم نے حضرت عمر سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا، وہاں علی ہیں، ان سے پوچھ لو۔ اس نے کہا، اے امیر المومنین میں آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ فرمایا، یہاں سے اٹھو، اللہ تعالیٰ تجھے پائے استقلال نہ دے اور اپنے رجسٹر سے اس کا نام خارج کر دیا۔

ائمۂ فن کے مختلف اقوال کی روشنی میں معلوم ہوا کہ زیرِ بحث حدیث نہ تو تمام علما کے نزدیک موضوع و باطل ہے اور نہ ہی سب کے نزدیک حسن و صحیح بلکہ اختلاف ہے۔ ہاں اکثر محققین کے نزدیک موضوع و باطل نہیں ہے اور یہی حق و درست ہے۔ جن لوگوں نے اس حدیث کی سندوں پر کلام کیا اور بعض راویوں کو کذاب، متروک اور منکر کہا تو اس کا تقاضا صرف اتنا ہے کہ یہ سند ضعیف یا موضوع ہے نہ کہ نفسِ عبارت موضوع ہے کیوں کہ نفسِ عبارت کے موضوع ہونے کی جو علامتیں و شرائط بیان کی جاتی ہیں یہ حدیث ان سے بالکل پاک و صاف ہے۔ تو پھر عبارت پر موضوع ہونے کا حکم کیسے لگ سکتا ہے۔ نیز اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہو اور اسے ضعیف ہی تسلیم کیا جائے، جب بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ بابِ فضائل سے ہے اور معلوم ہے کہ فضائل کے باب میں احادیث ضعاف قابلِ قبول ہیں۔

یہ چند سطور محض رضائے الٰہی کے لیے حیطۂ تحریر میں آئیں۔ مولا تعالیٰ انھیں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اس بندۂ احقر الانام کو خدمتِ قرآن و سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

# شیر بازار
## طریق کار اور شرعی احکام

مفتی محمد نظام الدین رضوی

شیر بازار یا مشترکہ سرمایہ کمپنی کے کاروبار کا حکم شرعی جاننے سے پہلے مختصراً ہمیں کمپنی اور اس کے طریق کار کو سمجھ لینا چاہیے۔

(1) کمپنی ایک کاروباری و تجارتی ادارہ ہے جو طے شدہ دستور العمل کے تحت کام کرتا ہے، مگر ماہرین معاشیات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کمپنی ایک غیر مبصرو ناقابل مس مصنوعی شخص ہے، جس کا اپنے شرکا سے الگ مستقل قانونی وجود ہوتا ہے، ہاں رجسٹریشن سے پہلے تک وہ محض ''افراد کی ایک انجمن'' ہوتی ہے۔

(2) کمپنی کا علاحدہ وجود ہونے کی وجہ سے وہ خود اپنے نام سے معاہدہ کرتی اور جائداد و اثاثہ جات خریدتی ہے۔

(3) حصہ داروں کے آنے جانے، مرنے، پاگل ہونے، اپنا حصہ دوسرے کے نام منتقل کرانے سے کمپنی کی حیات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ بہر حال موجود و باقی رہتی ہے۔

(4) کمپنی عقل و شعور سے محروم ہوتی ہے اس لیے اس کے تمام فرائض کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس کے نائب کی حیثیت سے ''ہدایت کار بورڈ'' مقرر کیا جاتا ہے جو اصولِ معاشیات کے ماہر افراد پر مشتمل ہوتا ہے، بہ لفظ دیگر یہی بورڈ کمپنی کی آنکھ اور دست و بازو ہوتا ہے۔

(5) کمپنی کے حصص دو طرح کے ہوتے ہیں، ترجیحی حصص اور مساواتی حصص۔ بہ لفظ دیگر پریفرنس شیرز اور اکویٹی شیرز۔

ترجیحی حصص والے شیر دار صرف نفع میں شریک ہوتے ہیں، نقصان میں نہیں اور ان کو ان کے جمع کیے ہوئے روپے پر ایک طے شدہ درسے بہر حال نفع دیا جاتا ہے، خواہ کمپنی کو اپنی تجارت میں نفع ہو یا نقصان۔

اور مساواتی حصص کے شیر دار اپنے حصے کے تناسب کے لحاظ سے نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتے ہیں، انھیں نفع صرف اسی صورت میں دیا جاتا ہے جب کمپنی کا کاروبار نفع میں چل رہا ہو۔

(6) کمپنی حصص سے الگ تھلگ ''عوامی قرض تمسکات'' بھی جاری کرتی ہے، جس پر ایک مقررہ شرح سے اپنے قرض خواہوں کو سود دیتی ہے۔

عوامی قرض تمسکات تمام منظور شدہ سرمایہ جاری ہونے کے بعد جاری کیے جاتے ہیں۔

(7) کمپنی عوام سے جو سرمایۂ قرض اور سرمایۂ حصص حاصل کرتی ہے وہ بیچے اور خریدے جاسکتے ہیں۔

(8) کمپنی اپنے حصص اور قرض تمسکات بیچنے کے لیے حصص بازار کے دلالوں کی مدد لیتی ہے، اور ان دلالوں کو فروخت کیے ہوئے حصص پر کمیشن بھی دیتی ہے۔

(9) کمپنی اپنے ''کم از کم حصص'' کی فروخت کے لیے حصص بیچنے والے ایجنٹ سے ایک معاہدہ کرتی ہے، جس کے مطابق ایجنٹ اس بات کی گارنٹی لیتا ہے کہ وہ فروختگی سے بچے ہوئے حصص اور قرض تمسکات خرید لے گا، اور خریدنے کی صورت میں اس کو بھی کمیشن دیا جاتا ہے، ضامن کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو بچا ہوا شیر خود خریدے اور چاہے تو کمپنی سے لے کر دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے۔

(10) کمپنی کے حصہ داروں سے کمپنی کے قرضوں کے لیے، اتنے ہی روپے کسی بھی وقت وصول کیے جاسکتے ہیں، جتنے اس کے خریدے ہوئے حصوں پر ادا نہیں کیے گئے، اسے شیر داروں کی محدود ذمہ داری سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(11) کمپنی کو بہت حد تک انکم ٹیکس سے چھوٹ ملتی ہے، جس کا فائدہ اس کے ممبروں کو ملتا ہے۔

(12) کمپنی میں سرمایہ کاری بہت سے فوائد کے ساتھ نقصانات سے بھی دوچار کرتی ہے، لیکن نقصان کے خطرات کم پیش آتے ہیں اور ایسے خطرات کسی بھی تجارت کے ساتھ پیش آسکتے ہیں۔

**شرعی احکام:** اب کمپنی میں سرمایہ کاری کے شرعی احکام ملاحظہ کیجیے۔

(1) کمپنی کے نظام کار کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اس کی عمارت سرمایہ کاری کے تین بنیادی ستونوں پر کھڑی کی گئی ہے۔

1- مساواتی حصص (جنھیں اکویٹی شیرز کہا جاتا ہے)

صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور





2- ترجیحی حصص (جنھیں پریفرنس شیرز کہا جاتا ہے)

3- قرض تمسکات (جنھیں ڈبینچرس کہا جاتا ہے)

قرض کا لین دین فی نفسہ جائز ہے، بلکہ قرض دہندہ کی طرف سے یہ ایک قسم کا احسان ہے جو باعث اجر و ثواب ہے مگر کمپنی کی دنیا میں یہ قرض سود کی شرط پر دیا اور لیا جاتا ہے اور سود یقیناً حرام قطعی و قبیح لذاتہ ہے۔

ترجیحی حصص بھی اپنی حقیقت شرعیہ کے لحاظ سے قرض ہی ہیں اور ان پر ملنے والا نفع سود، لہٰذا وہ بھی فی نفسہ حسن، اور اس کی شرط قبیح لذاتہ ہے۔

مساواتی حصص، شرکت عنان کا پاک سرمایہ ہیں اور ان کے ذریعہ مشترکہ تجارت ایک فعل مباح ہے، لیکن اس فعل مباح کو اس طرح قبیح بنا دیا گیا ہے کہ سرمایۂ شرکت میں سودی قرض اور ترجیحی حصص کا سرمایہ بھی خلط کرکے کاروبار کیا جاتا ہے۔

تو پتہ چلا کہ ان تینوں ارکان میں سے کوئی بھی رکن ایسا نہیں ہے جو کسی قبح سے داغ دار نہ ہو اور بلا دریغ اسے کسب حلال کہا جاسکے۔

ان میں سے اخیر کے دو ارکان تو قطعاً حرام و گناہ کبیرہ ہیں جن کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں اور مساواتی حصص کا حصول حرام قطعی تو نہیں پھر بھی ناجائز ضرور ہے، کیوں کہ ہدایت کار بورڈ قرض تمسکات اور ترجیحی حصص کے ذریعہ جو سرمایہ تجارت میں لگاتا ہے اس کا نفع کمپنی کے آئین کے مطابق سارے مساواتی حصہ داروں کو ایک مساوی تناسب سے ملتا ہے اور جب کمپنی خسارے کی شکار ہوتی ہے تو موجودہ سرمایہ تجارت سے جس میں مساواتی شیرز کا سرمایہ بھی ہوتا ہے، سارے قرض داروں اور ترجیحی حصہ داروں کا قرض مع سود ادا کیا جاتا ہے تو یہ دستور جانتے ہوئے کمپنی کی سرمایہ کاری میں شرکت اختیار کرنا جزوی طور پر اپنے ذمہ دوسروں کے سودی قرض کا بار لینا ہوا، یا کم از کم اس پر رضامند ہونا ہوا، اور قرض دوسرے کا ادا کرنا گو جائز ہے لیکن اس قرض پر عائد ہونے والا سود ادا کرنا یا اس پر راضی ہونا ناجائز ہے۔ ارشاد باری ہے:

''وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.''

چوں کہ مساواتی حصص کے ذریعہ کمپنی میں شمولیت اس ناجائز کام کا ذریعہ ہوئی تو اس حیثیت سے یہ شمولیت بھی ناجائز ہوئی۔

ہاں شریعت طاہرہ کا ضابطہ ہے کہ مسلمان کا فعل امکانی حد تک حرمت و فساد سے بچایا جائے، اسی لیے فقہائے کرام نے بہت سے مسائل میں امکانی گوشوں کو تلاش کر کر کے تصحیح عقد فرمائی۔ مثلاً:

''بازار میں مال حرام غالب اور حلال مغلوب ہو تو بھی اشیا کی خریداری کو جائز فرمایا۔''

(فتاوی رضویہ، جلد دوم، رسالہ احلی من السکر)

اس لیے کمپنی میں گو سرمایۂ حصص اور سرمایۂ قرض دونوں مخلوط ہیں لیکن یہاں تصحیح عقد کا امکان یوں ہے کہ سود کی ادائیگی کو سرمایہ شرکت سے نہ مانا جائے، بلکہ یہ مانا جائے کہ سود صرف مالِ قرض کے نفع کا ہے۔ یعنی کمپنی کے پاس جو کچھ روپے ہیں وہ ہوسکتا ہے کہ قرض کے بھی ہوں، حصص کے بھی ہوں لیکن فعل مسلم کو حرمت و فساد سے بچانے کے لیے یہ قرار دیا جائے گا کہ یہ سرمایۂ قرض ہے۔ اور سرمایۂ حصص کچھ تو متاع کی شکل میں موجود ہے، کچھ نرخ کے گھٹنے کی وجہ سے خسارہ کی نذر ہوگیا۔

لیکن یہاں یہ توجیہ بجا نہیں کیوں کہ جب حصص اور قرض کے تمام روپے مخلوط ہو جاتے ہیں تو ہر روپیہ سرمایۂ قرض ہونے کے ساتھ سرمایۂ حصص سے بھی ہے جیسا کہ جوہرہ نیرہ میں منقول ایک فقہی مکالمہ سے اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

فقہ حنفی کی اہم ترین کتاب ''بہار شریعت'' میں غصب کے بیان میں یہ دل چسپ مکالمہ ان الفاظ میں درج ہے:

''مسئلہ: علی بن عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں، میں نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ایک شخص کا ایک روپیہ دوسرے شخص کے دو روپے میں مل گیا، اس کے پاس سے دو روپے جاتے رہے، ایک باقی ہے اور معلوم نہیں یہ کس کا روپیہ ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

امام نے فرمایا وہ جو باقی ہے اس میں سے ایک تہائی ایک روپیہ والے کی ہے اور دو تہائی دو روپے والے کی۔

علی بن عاصم کہتے ہیں، اس کے بعد میں ابن شبرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا، انھوں نے کہا تم نے اس کو کسی اور سے بھی پوچھا ہے؟ میں نے کہا، ہاں! ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا ہے۔ ابن شبرمہ نے کہا انھوں نے یہ جواب دیا ہوگا میں نے کہا ہاں، ابن شبرمہ نے کہا، انھوں نے یہ جواب غلط دیا، اس لیے کہ دو روپے جو گم ہوگئے ان میں ایک تو یقیناً اس کا ہے، جس کے دو روپے تھے اور ایک میں احتمال ہے کہ اس کا ہو، یا ایک روپیہ والے کا ہو اور جو باقی ہے اس میں بھی احتمال ہے کہ دو روپے والے کا ہو یا ایک والے کا۔ دونوں برابر کا احتمال

رکھتے ہیں۔ لہٰذا نصف نصف دونوں بانٹ لیں۔

کہتے ہیں: مجھے ابن شبرمہ کا جواب بہت پسند آیا، پھر میں امام اعظم سے ملا اور ان سے کہا کہ اس مسئلے میں آپ کے خلاف جواب ملا ہے۔

امام نے فرمایا: کیا تم ابن شبرمہ کے پاس گئے تھے؟ میں نے کہا، ہاں۔ فرمایا، انھوں نے تم سے یہ کہا ہے، وہ سب باتیں بیان کردیں۔ میں نے کہا، ہاں۔

فرمایا کہ جب تینوں روپے مل گئے اور امتیاز باقی نہیں رہا تو اس صورت میں روپیہ میں دونوں شریک ہو گئے، ایک والے کی ایک تہائی اور دو والے کی دو تہائیاں۔ پھر جب دو گم ہو گئے تو دونوں کی شرکت کے دو روپے گم ہوئے اور جو باقی ہے یہ بھی دونوں کی شرکت کا ہے کہ ایک تہائی ایک کی اور دو تہائیاں دوسرے کی۔" (بہار شریعت، ص:42-43 حصہ 15 غصب کا بیان، اتلاف سے وجوب ضمان کی بحث بحوالہ الجوهرة النيرة على مختصر القدوری ص:25، ج:2 کتاب الغصب قبیل کتاب الودیعة)

یوں ہی شیر بازار والے اس مسئلہ میں جب قرض، پریفرینس شیرز اور اکویٹی شیرز سب کے روپے ایک ساتھ خلط ملط کرکے رکھے جاتے ہیں اور یہ امتیاز باقی نہیں رہ جاتا کہ کون روپے کس مد کے ہیں تو ان کے باہم مخلوط ہونے کے بعد سب میں سب کی شرکت ہو جاتی ہے اس لیے جو روپے متاع کی خریداری میں لگے اس میں بھی سب کی شرکت ہے اور جو روپے کمپنی کے پاس موجود ہیں ان میں بھی سب کی شرکت ہے۔ اس لیے ڈبنچرس اور پریفرینس شیرز والوں کو سود دینے میں سبھی شریک ہوئے اور سبھی کے حصے سے سود کی ادائیگی ہوئی۔ لہٰذا حکم شرع یہی ہے کہ مسلمان شیر بازار کے کاروبار میں حصہ نہ لیں اور اکویٹی شیرز سے بھی بچیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**(2)** سرمایۂ قرض اور سرمایۂ حصص کے ذریعہ کمپنی میں جو تجارت یا خرید و فروخت ہوتی ہے، جائز و درست ہے۔ خود اس کی ذات میں کوئی قبح نہیں کہ حلال و مملوک مال کا تبادلہ حلال و مملوک مال سے اس طور پر ہوتا ہے کہ اس میں کوئی شرط فاسد نہیں ہوتی بلکہ یہاں سرے سے کوئی شرط ہی نہیں ہوتی نہ فاسد، نہ غیر فاسد۔ اور سود کی شرط فاسد تو قرض کے لیے ہے، بیع یا خرید و فروخت کے لیے نہیں ہے، تو کمپنی سرمایۂ حصص و قرض سے جو تجارت کرتی ہے وہ سود کی شرط فاسد سے پاک و صاف ہے۔

لہٰذا حصص و قرض کے ذریعہ حاصل کیا ہوا مال حلال ہے، تجارت حلال ہے اور اس سے جو نفع ہو وہ بھی حلال ہے۔

ہاں سود کی شرط پر قرض لینا، دینا اور صرف نفع کی شرط پر ترجیحی حصص حاصل کرنا حرام ہے، یعنی عمل حصول حرام ہے، لیکن ان ذرائع سے حاصل کیا ہوا نفع حرام نہیں کہ یہ مال ابھی نہ تو سود ہے اور نہ ہی وہ طے شدہ نفع ہے تو مال کی ذات خالص حلال ہوئی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

بے ضرورت سود دینا اگرچہ حرام ہے، مگر وہ روپیہ کہ اس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو حلال ہے فان الخبث فيما اعطى، لا فيما اخذ، وهذا ظاهر جدا-اه"

پھر مقررہ میعاد پر قرض دہندہ کو سود دینا اور اسے سود لینا، یوں ہی ترجیحی حصص کا مشروط نفع لینا، دینا یہ حرام ہے۔ تو یہ حرمت کمپنی کی تجارت میں نہیں بلکہ اس سے مجاور ایک دوسری چیز میں ہے اور وہ ہے "شرط فاسد اور ناجائز نفع وسود کا لین دین۔" خلاصہ یہ کہ کمپنی کی تجارت حلال ہے اور اس سے حاصل شدہ نفع بھی حلال ہے مگر سود دینا، لینا یہ حرام و گناہ ہے، ہاں اگر کمپنی حرام کام مثلاً شراب کی خرید و فروخت کی تجارت کرے تو وہ بہر حال حرام ہے، اس میں تو کسی مسلمان کو شبہہ نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**(3)** جب کمپنی میں لگا ہوا سرمایہ، اس سے تجارت اور اس کا نفع حلال ہے تو شرائط وجوب زکوٰۃ کے تحقق کی صورت میں اس سرمایے اور اس کے منافع پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"اصل کے روپے، جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں یا "مال" میں اس کا جتنا حصہ ہے یا "منفعت جائزہ غیر ربا" میں اس کا جتنا حصہ ہے، اس پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔"

(فتاویٰ رضویہ، ص:111-112 ج:7 سنی دار الاشاعت)

"منفعت جائزہ غیر ربا" کا لفظ خالص قانونی اور انتہائی جامع ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ کمپنی میں سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا نفع دو قسم کا ہے۔ جائز و ناجائز۔

ناجائز تو وہ نفع ہے جو منافع تجارت کے ایک مخصوص حصے کو قرض دینے پر سود کی شکل میں حاصل ہوتا ہے اور جائز وہ نفع ہے جو قرض کے ذریعہ نہ حاصل ہو، بلکہ تجارت کے ذریعہ حاصل ہو۔

اور جیسا کہ کمپنی کے طریق کار سے عیاں ہے، مساواتی حصص والوں کو تجارت کے ذریعہ ہی نفع حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ وہ قرض کے طور پر کچھ بھی نہیں دیتے تو وہ شریک کار ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



آخری قسط

فکر امروز

# علم و دانش کے فروغ میں اسلام کا حصہ

مولانا محمد اسحاق رضوی مصباحی

## اسلامی علمی تحریک کی خصوصیات:

**1**- اسلامی محققین نے علوم کو ہمیشہ انسانی فلاح کے پہلو سے دیکھا۔ صرف ان اشیا کی طرف توجہ کی جو انسانیت کے لیے مفید اور نافع ثابت ہوں، اس لیے انھوں نے آب پاشی کے نظام کے لیے باندھ اور پل، علمِ نباتات و حیوانات اور ایسی صنعتوں کی ترقی کی کہ جن کی ایک معاشرے کو ضرورت ہے، اس کے لیے خصوصاً خلفاے بنی العباس کا دو تہائی دور اول دلیل ہے کہ کس طریقہ سے انھوں نے تمام مفید علوم سے ایک تہذیب کو ترقی دی تھی۔

**2**- دوسری خصوصیت اس علمی تحریک کی یہ تھی کہ عقل انسانی کو تشکیک کی ظلمت سے نجات دے کر یقین کے منار پر لا کھڑا کیا۔ اس قطعیت اور یقین کی موجودگی کا اثر تمام علوم نے قبول کیا۔ اب اسلامی علمی تحریک نے واجب، مبدا، معاد جیسے ان مسائلِ عالیہ میں سر کھپانے سے نجات دے دی تھی، جن میں یونان کی ہزار سالہ تاریخ الجھی ہوئی تھی۔ اسلام نے ان مسائل میں کتاب و سنت کی رشنی میں یقین کی دولت علما کو دی تھی اب فکر انسانی باقی طبعی اور ریاضی علوم کے لیے فارغ تھی اور اس کے بس کا جو کام تھا اس میں اس کو لگا دیا تھا۔

**3**- اسلامی تحریک میں تقلید کے لیے کوئی جگہ نہیں بلکہ صرف عوام کو جو فقہ کے مسائل میں استنباط نہیں کر سکتے تھے، صرف اسی باب میں تقلید جائز رہی۔ باقی علوم میں تقلید کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ مسلمانوں نے ترقی کے زمانے میں ریاضیات، طبعیات اور منطق وغیرہ میں قدماے یونان کی تقلید نہیں کی بلکہ ان علوم میں جدید اضافے بھی کیے اور اتنی ترقی دی کہ ریاضی میں آج بھی اس پر کوئی بڑا اضافہ نہیں ہو پایا ہے۔

**4**- اسلامی علمی تحریک میں علم کو کسی خاص طبقہ کا ورثہ نہیں بنایا گیا بلکہ غلاموں، باندیوں تک کو زیورِ علم سے آراستہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ بعض غلام ایسے زبردست عالم ہوئے کہ ان کی کوئی مثال نہیں۔ وہ محدث، مفسر اور فلسفی وغیرہ بھی ہوئے اور اسی طریقے سے تمام دینی اور سائنسی علوم غیر مسلموں تک عام کیے گئے۔ ان سے سیکھنے اور ان کو سکھانے میں کوئی تفریق نہیں برتی گئی۔ اس کے لیے بغداد و قرطبہ اور ہندوستان میں دیکھا جا سکتا ہے کہ مسلم دانش وروں نے غیر مسلموں کو پڑھایا۔ خود ہندوستان میں زبردست فارسی۔ عربی و انشا و دیوان کے کتنے ماہر پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ سائنسی علوم سے لے کر شاعری تک میں ہندوؤں کو برابر کی تعلیم دی گئی اور آج ہندو ہندستان میں اور عیسائی یورپ میں اگر علم کے وارث ہیں تو انھیں مسلم دانش وروں کا احسان مند ہونا چاہیے جنھوں نے اپنی اولاد کی طرح ان کے بچوں کو پڑھا کر اس وقت کے علوم سے واقف کرایا اور پھر وہ آج اس کے سہارے ایک ترقی کردہ معاشرہ میں تبدیل ہوئے۔ مسلمانوں نے دوسری قوموں کو اتنا مسلمان نہیں بنایا ہے جتنا کہ انھیں علوم سے روشناس کرایا ہے۔

**5**- اس تحریک کی خاصیت یہ بھی تھی کہ ہر تحقیق کو تحریر میں لایا گیا۔ بغداد اور بہت سے شہروں میں چھاپہ خانے سے قبل سوق الوراقین کے نام سے کاتبوں کے ادارے ملتے تھے کہ آسانی سے کسی بھی کتاب کے نسخے تیار کرائے جا سکتے تھے اور انھیں کوئی بھی خرید سکتا تھا۔

**6**- سلاطینِ اسلام میں ننانوے فی صد نے علوم کی عظیم سرپرستی کی اور علما اور طلبہ کو چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، ان کو اپنی عطاؤں سے نوازا۔ آپ مجوسی مذہب کے طبیب، ہندو طبیبوں اور فلسفیوں کے نام تاریخ میں پڑھ سکتے ہیں جنھوں نے بغداد میں بیت الحکمة کے لیے اور سلاطین کے مدرسوں کے لیے کتابیں لکھیں اور ترجمے کیے پھر وہ بے شمار عطایا اور انعامات پائے۔

**7**- اسلامی علمی تحریک کے بہاؤ کو کبھی مذہب اسلام نے روکنا نہیں چاہا۔ مسلمان فقیہ نہ فلسفے کے دشمن ہوئے اور نہ منطق و ریاضی کے بلکہ ہر فقیہ اور محدث و مفسر تقریباً دورِ امیہ سے ہی ان علوم کا ماہر ہوتا تھا۔ انھوں نے مذہب اسلام کو سائنسی اعتبار سے درجِ اول پر رکھا۔ اسلامی تاریخ میں کسی فلسفی کو فلسفہ کی وجہ سے اور کسی مفکر کو اس کی ایسی تحقیقات کی وجہ سے، جو کہ مذہبی روایت سے ٹکراتی ہو،

پھانسی نہیں دی گئی بلکہ انھیں اظہارِ رائے کا پورا حق دیا گیا، ہاں علما نے اس کا جواب ضرور دیا۔

**8**-علما کا طبقہ علم، صرف تنخواہوں کے لیے کام نہیں کرتا تھا بلکہ وہاں پر عطایا حاصل کرنے سے زیادہ صرف انسانیت کی خدمت کرنے کا جذبہ موجود تھا، اس لیے انھوں نے جو تعلیم دی اس میں اخلاص تھا۔ ایک ایک عالم نے تنہا وہ خدمات انجام دیں جو آج کی کئی یونیورسٹیاں مل کر بھی انجام نہیں دے سکتیں۔

## علمی تحریک کے طریقے اور دنیا کا اعتراف

مسلمانوں نے علم کو جب تک ایک مقصد اور ضرورت کے اعتبار سے دیکھا وہ ترقی بھی کرتے رہے اور اس سے فائدہ بھی اٹھاتے رہے۔ اسلامی علمی تحریک کی خاصیت اور وسعت کے طریقے جو اس تحریک کے عمیق مطالعہ کے بعد ابھر کر سامنے آتے ہیں، وہ یہ ہو سکتے ہیں:

1- بحث کی آزادی: مسلمانوں نے اس بات کو قبول کیا کہ ہر ایک کی رائے دیکھی جائے اور اس پر مناسب تبصرہ کیا جائے۔

2- تعلیم کو ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت سے جاری رکھا جائے اور اس کو صرف حصولِ روزگار ہی کا ذریعہ نہ سمجھا جائے۔

3- تمام ہی قوموں کو اور طبقوں کو علم دیا جائے تاکہ وہ حق و باطل کے درمیان فرق پہچان سکیں۔

4- نشر علوم کے انسانی ذرائع کو پورا استعمال کیا جائے۔

لہٰذا انھوں نے ان تمام ذرائع کو استعمال کیا:

1- مسجدوں کے ساتھ لائبریریاں اور مکتب قائم کیے۔

2- ہر علاقے میں ایک بڑا مرکز قائم کیا۔

3- تمام بڑے شہروں میں مکمل تعلیمی ادارے قائم کیے۔

4- پھر اسپیشل اور تخصص کے ادارے قائم کیے۔

اور یہ سلسلہ تمام عالمِ اسلام میں رائج تھا۔ حتیٰ کہ ہندستان میں اسلامی سلطنت کے زمانے میں یہ کوششیں جاری رہیں۔

مسلمانوں کی تنزلی کے خاص اسباب صرف دو ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کے آخری دور میں علمی سرپرستی سے دوری اور علماے کرام کا بے مقصد علوم میں انہماک۔ مسلمانوں ہی نے قدیم تہذیب کے علمی ورثہ کو بنا سنوار کر جدید دنیا کے سامنے پیش کیا۔ میں اپنی بات کو ڈریپر، کارادی ووکس، اور کاجوری کے تاثرات پر ختم کر رہا ہوں جنھوں نے مسلمانوں کی علمی تحریک کا ذکر بڑے انصاف سے کیا اور اس کو علامہ شبیر احمد غوری نے اپنے مقالوں میں جا بجا نقل کیا ہے۔ علامہ غوری کے مقالات تحقیقِ غوری کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور وہ اس باب میں قابلِ مطالعہ ہیں۔ اور آئندہ سطوران کی کتاب، ثقافتِ اسلامی، ص:33 تا ص:42 سے ماخوذ ہیں۔

**(1)** قرونِ وسطیٰ کو یورپ کی ظلمت و جہالت کے مقابلے میں اس عہد کی اسلامی دنیا کی علمی و ثقافتی عظمت و رفعت کا تذکرہ انتہائی نظر فروز ہے، ڈریپر عہد تاریک کے یورپ کی جہالت و پس ماندگی پر نفرین بھیجنے کے بعد رقم طراز ہے:

''(اس کے مقابلے میں اندلس کی اسلامی تہذیب کس قدر خوش آئند معلوم ہوتی ہے) جب کہ ہم یورپ کے جنوبی مغربی گوشہ اسپین پر نظر ڈالتے ہیں جہاں بالکل ہی مختلف حالات کے تحت علم و حکمت کے انوار تاباں کی روشنی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ مغرب میں ہلال (اسلامی تہذیب) بدر کامل بن کر مشرق (وسطیٰ یورپ) کی طرف جانے والا تھا۔'' *(Ibid,p.42)*

دوسرے مقام پر یہ مصنف اندلس (اسپین) کے مسلمان حکمرانوں کی علمی سرپرستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جوں ہی عربوں کو اسپین میں مضبوطی سے قدم جمانے کا موقع ملا، یونہی انھوں نے ایک روشن دور کا آغاز کیا...... قرطبہ کے امیروں نے خود کو علم و ادب کا سرپرست بنا کر ممتاز کر لیا اور ذوق سلیم کی ایک ایسی مثال قائم کر دی جو یورپ کے دیسی حکمرانوں کی حالت کے بالکل برعکس تھی۔'' *(Ibid,p.30)*

اس کے بعد وہ ان کی علمی سرپرستی کا اجمالی جائزہ پیش کرتا ہے:

''انھوں نے بڑے بڑے شہروں میں لائبریریاں قائم کیں، کہا جاتا ہے کہ ستر سے زیادہ لائبریریاں اُس زمانے میں موجود تھیں۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک عوامی مکتب ہوتا تھا، جہاں غریبوں کے بچوں کو نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ صاحبِ استطاعت لوگوں کے لیے علمی مجامع (اعلیٰ مدارس) تھے، جہاں ایک بڑا عالم صدر ہوتا تھا۔ قرطبہ،





غرناطہ اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں تھیں۔ ان یونیورسٹیوں میں بعض پروفیسر، ریاضی و ہیئت کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کے علاوہ مخصوص فنون کے واسطے خصوصی مدارس تھے، بالخصوص طب کے لیے۔'' *(Ibid,p.36)*

ایک اور فاضل کارادی ووکس (Cara de Vaux) نے لیگیسی آف اسلام مرتبہ آرنلڈ کے اندر اپنے مقالے ''ریاضی و ہیئت'' میں لکھا ہے:

''عربوں (مسلمانوں) نے اُس زمانہ میں اعلیٰ تعلیم اور علم و حکمت کے مطالعہ کو زندہ رکھا، جب کہ مسیحی مغرب (یورپ) بربریت و جہالت کے ساتھ جان توڑ لڑائی لڑ رہا تھا۔ اُن کی علمی سرگرمیوں کا عہد نویں دسویں صدی میں متعین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی یہ سرگرمیاں پندرہویں صدی تک جاری رہیں، بارہویں صدی کے بعد ہر وہ شخص جسے علم و حکمت کا ذرا سا بھی شوق ہوتا یا حصولِ علم کی تھوڑی سی بھی خواہش ہوتی تو وہ یا مشرق (بغداد) کا سفر کرتا، یا اسپین کا۔'' *(Arnold: Legacy of Islam, p.377)*

آج فرزندانِ مشرق یورپی امریکی جامعات میں جا کر حصولِ تعلیم کو فضل و کمال کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ اسلام اپنے پیروؤں پر طلب علم کے لیے اقصاے عالم کے سفر کو فرض گردانتا ہے۔ وہ علم و فن کو مردِ مومن کی متاعِ گم گشتہ قرار دیتا ہے، لیکن ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ یورپی فضلا عالمِ اسلام کے علمی سفر کو تمغۂ فضل و کمال اور سرمایۂ فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ چناں چہ ڈریپر لکھتا ہے کہ تحصیلِ علم کے لیے اسپین کا سفر شائقین علم و حکمت نے دسویں صدی مسیحی ہی سے شروع کر دیا تھا:

''دسویں صدی مسیحی ہی سے جن لوگوں کو حصولِ علم کا شوق ہوتا، یا تہذیب و ثقافت کا ذوق رکھتے، وہ ہم سایہ ممالک سے اسپین پہنچتے اور بعد کے زمانے میں تو اس رسم پر لوگوں کا عمل بہت زیادہ بڑھ گیا، بالخصوص جب کہ گربرٹ نے اپنی غیر معمولی ترقی سے ایک شان دار مثال قائم کر دی۔ کیوں کہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، وہ قرطبہ کی اسلامی یونیورسٹی ہی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پوپ کے عہدہ پر فائز ہوا تھا۔''

*(Draper : History of Inellectual Development of Europe, Voll.II,p36)*

مگر قرونِ وسطیٰ کے یورپی فضلا میں گربرٹ (جو آگے چل کر سلوسٹر دوم کے نام سے پاپاے روم بنا) ہی اکیلا شخص نہیں ہے، جس نے اسلامی اسپین کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی ہو، قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیاں اس زمانے میں یورپی فضلا سے بھری رہتی تھیں اور یہیں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ مغربی تہذیب و ثقافت کے شمع بردار بنتے تھے۔ ڈریپر لکھتا ہے:

''اسپین کی یونیورسٹیاں اقطاع یورپ کے علماے دینیات سے بھری رہتی تھیں۔ پیٹر دی دیر یبل جو ابیلارڈ کا دوست اور مربی تھا، جس نے قرطبہ میں کافی وقت گزارا تھا اور جو نہ صرف روانی سے عربی بول سکتا تھا، بلکہ جس نے قرآن کریم کا لاطینی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا، بیان کرتا ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ اسپین پہنچا تو اس نے دیکھا کہ یورپ حتیٰ کہ انگلستان کے بہت سے تعلیم یافتہ اشخاص وہاں ہیئت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔'' *(Ibid,p.30)*

ڈریپر نے اسلامی اسپین ہی کی علمی سرگرمیوں کا خصوصیت سے مطالعہ کیا تھا، ورنہ اسپین سے زیادہ علم و حکمت کا چرچا عراق و ایران میں تھا، مگر اس کے تذکرے کے لیے ایک مستقل مضمون درکار ہے۔

**(2)** کارادی وو لکھتا ہے:

''عربوں (مسلمانوں) نے سائنس میں واقعی بڑے کمالات حاصل کیے۔ انھوں نے صفر کا استعمال (یا ترقیم اعداد کا طریقہ) سکھایا، اگرچہ انھوں نے اسے ایجاد نہیں کیا تھا اور اس طرح وہ روزانہ زندگی کے علم الحساب کے بانی بن گئے۔ انھوں نے علم الجبر و المقابلہ کو ایک تحقیقی علم بنا دیا اور اسے بہت زیادہ ترقی دی۔ انھوں نے تحلیلی ہندسہ کی بنیاد ڈالی۔ اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ علم المثلثات المستویہ اور علم المثلثات الکرویہ کے بانی تھے، جو صحیح بات تو یہ ہے کہ ان کے زمانہ سے پہلے وجود ہی میں نہیں آئے

تھے۔ علم الھیئت میں انھوں نے قیمتی مشاہدات کیے۔'' (Arnold:Legacy of Islam, p.375)

اسی طرح مشہور مورخ ریاضیات کاجوری نے ''تاریخ ریاضیات'' میں لکھاہے:

''پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ عربوں نے ریاضیات میں کوئی اضافہ نہیں کیا، لیکن حالیہ تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ انھیں اور بجنل نظریات کا شرف ملنا چاہیے جواس سے پہلے بعد کے لوگوں (اہل یورپ) کی دریافت سمجھے جاتے تھے۔''

(F.Kajori, History of Mathematics,p112)

کاجوری نے دوسری جگہ لکھاہے:

''عربوں میں ایک قابلِ تعریف علمی سرگرمی پاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے انھیں ایسے فرماں روا ملے تھے جنھوں نے اپنے جودوسخا سے علمی تحقیقات کی ترقی میں بڑی مدد دی۔ خلفا کے دربار میں اہلِ علم کے لیے کتب خانوں اور رسد گاہوں کا انتظام تھا۔ عرب مصنفین نے ہیئت اور ریاضی میں بہ کثرت کتابیں تصنیف کیں۔'' (Ibid,p.111)

اس کے ساتھ اس نے مسلمانوں پر جدت فکر سے محروم ہونے کے الزام کی تردید بھی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''کہا گیا ہے کہ عرب عالم تھے، مگر عبقری نہیں تھے، لیکن ان کی تصنیفات کے جدید مطالعہ سے ہم مجبور ہیں کہ اس رائے پر نظر ثانی کریں۔ انھیں بہت سے اہم کمالات کا شرف حاصل ہے۔ انھوں نے درجہ سوم کی مساواتوں کو ہندسی طور پر حل کیا، علم المثلثات کو نمایاں درجہ تک مکمل کیا اور ریاضی، طبعیات اور علم المثلثات میں بہ کثرت اہم اضافے کیے۔'' (Ibid,p.116)

خصوصیت کے ساتھ اس نے ان کی الجبرائی دریافتوں کے بارے میں لکھاہے:

''عرب درجہ دوم کی مساواتوں کے ہندسی حل سے واقف تھے، اب تیسرے درجہ کی مساواتوں کو ہندسی طور پر حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ فصولِ مخروطیہ کے تقاطع کی مدد سے سوم کی مساواتوں کا حل علم الجبر والمقابلہ کی ترقی میں عربوں کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن مغرب (یورپ) میں عربوں کا تیسرے درجہ کی مساواتوں کا حل قریبی زمانے تک غیر معلوم تھا۔'' (Ibid,p.112)

اسی طرح اس نے ان کی ہیئتی سرگرمیوں کے بارے میں لکھاہے:

''ہیئتی جداول (زیجات) اور آلات رصدیہ مکمل کیے گئے، رصد خانے تعمیر کیے گئے اور مسلسل مشاہداتِ فلکی کے قلم بند کرنے کا انتظام کیا گیا۔'' (Ibid,p.102)

طب کے اندر چھ صدیوں تک شیخ بوعلی سینا کی ''کتاب القانون'' یورپی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب رہی۔ اس سے پہلے علی بن العباس المجوسی کی ''کامل الصناعۃ'' کا رواج تھا۔ ان کے علاوہ ابوبکر بن زکریا الرازی کی بہت سی طبی تصانیف وہاں مروج تھیں۔

(3) اوپر کاجوری کا قول مذکور ہو چکا ہے:

''کہا گیا ہے کہ عرب عالم تھے، مگر عبقری نہیں تھے، لیکن ان کی تصنیفات کے جدید مطالعہ سے ہم مجبور ہیں کہ اس رائے پر نظر ثانی کریں۔ انھیں بہت سے اہم کمالات کا شرف حاصل ہے۔'' (Ibid,p.112)

مگر یہ ایک انصاف پسند مورخ کا اجمالی تبصرہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کے اوریجنل علمی نظریات کا تفصیلی تذکرہ مرتب کیا جائے۔ یونانی منطق میں صرف قیاس (Syllogism) کو اہمیت دی جاتی تھی۔ استقرا (Induction) اور تمثیل (Analogy) کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر منطق کے مسلم نقادوں نے ''استقرا'' کی اہمیت پر بھی زور دیا اور فقہاے کرام نے ''تمثیل'' کے مباحث کا بڑی دقتِ نظر سے مطالعہ کیا۔

طب میں ''دورانِ خون'' کے نظریے کا انکشاف ہاروے کا کارنامہ بتایا جاتا ہے، مگر اس کا شرف ابن النفیس کو پہنچتا ہے۔

ہیئت میں گردشِ ارضی کے نظریے کا انتساب کوپرنیکس کی جانب کیا جاتا ہے، مگر آج سے ایک ہزار سال پہلے اس نظریہ کا سرگرم علم بردار احمد بن عبد الجلیل السجزی تھا جس نے اپنا اصطرلاب ہی اس اصول پر بنایا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ عرصے تک بیرونی بھی اسی نظریے کی طرف مائل رہا۔





قمر کے اختلافِ ثالث کی دریافت کا شرف ٹیکو برہے کو دیا جاتا ہے، مگر اس کا مستحق ابوالوفاء البوزجانی ہے۔

کاجوری کا مرقوم الذیل تبصرہ بھی توضیحی مطالعہ وتحقیق کا مقتضی ہے:

''پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ عربوں نے ریاضیات میں کوئی اضافہ نہیں کیا، لیکن حالیہ تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ انھیں اوریجنل نظریات کا شرف ملنا چاہیے جواس سے پہلے بعد کے لوگوں (اہل یورپ) کی دریافت سمجھے جاتے تھے۔'' (Ibid,p112)

مثلاً اقلیدس کے خطوط متوازی کے مصادرہ (Parallel Postulate) کا وہ بدل جو پلے فیر صاحب کے علوم متعارفہ (Playfair's Axion) کے نام سے موسوم ہے ایک انگریز ہندسہ داں پلے فیر کی دریافت بتایا جاتا ہے، جسے اس نے اپنے ''اصولِ اقلیدس'' کے ایڈیشن مرتبہ 1795ء میں لکھا تھا۔ بعد کے ریاضی دانوں نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ اس کی داد دی، مگر آج اس بدنصیب کو کوئی نہیں جانتا جس نے سب سے پہلے اسے دریافت کیا تھا۔ وہ غریب ابن الہیثم تھا، جس نے پلے فیر سے آٹھ سو سال قبل اس حقیقت کو پالیا تھا اور پلے فیر سے کوئی ساڑھے پانچ سو سال قبل محقق طوسی نے اپنے ''الرسالۃ الشافیہ'' میں اس کو بالتصریح ابن الہیثم کی طرف منسوب کیا تھا۔ پلے فیر صاحب کا علومِ متعارفہ حسب ذیل ہے:

*"Two intersecting straight lines can not be parallel to one and the same."*

اور بعینہ یہی الفاظ ابن الہیثم کے ہیں:

''الخطان المستقیمان المتقاطعان لا یوازیان خطاً واحداً مستقیما.''

(ایک دوسرے کو کاٹنے والے دو خط مستقیم ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں ہو سکتے۔)

مثلث کے رقبہ کا ضابطہ جو تمام ارضی مساحت (Geodetic Survey) کی بنیاد ہے یعنی:

$$\text{Area of } \square ABC = S(S-a)(S-b)(S-c)$$

$$\text{Where } S = \frac{a+b+c}{2}$$

اس ضابطے کے دریافت کنندہ کا نام معلوم نہیں لیکن مغرب کے تفوق کے نتیجے میں اسے ایرن اسکندرانی کی دریافت بتادیا جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ عہد اسلام کے مسلمان مہندسوں کے ایک مشہور خاندان کی دریافت ہے جو تاریخ میں بنوموسیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ بنوموسیٰ نے ہندسی مسائل پر ایک رسالہ بہ عنوان ''رسالہ فی ساحۃ الکرہ'' لکھا تھا۔ اس کے اندر جن مسائل کے باب میں انھوں نے متقدمین میں سے کسی کی خوشہ چینی کی تھی، بڑی فراخ دلی کے ساتھ اس کی وضاحت کر دی ہے، اور جن کے باب میں وہ کسی کے رہینِ منت نہیں ہیں، ان کی بھی تصریح کر دی ہے۔ مثلث کے رقبہ کا ضابطہ بھی ان کی تصریح کے مطابق انھیں کی دریافت ہے۔

علم المثلثات الکرویہ کا مشہور ضابطہ:

$$\frac{\sin A}{a} = \frac{\sin B}{b} = \frac{\sin C}{c}$$

جس نے بطلیوس کی ''شکل القطاع'' کے پیچیدہ اعمال سے مہندسین کو بے نیاز کر دیا تھا، نیپر کی جانب منسوب کر کے Napiers's Analogy کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ مسلمان مہندس ابوالوفا البوزجانی یا ابونصر بن عراق (استاذ ابوریحان البیرونی) کی دریافت ہے۔ مزید تفصیل موجبِ طوالت ہوگی۔

غرض یورپ جو آج علم وحکمت کی روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے، عرصے تک مسلمانوں ہی سے کسبِ نور کرتا رہا۔

# حدیث: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْم

مولانا کوثر امام قادری

فاتحِ زمن، خیبر شکن، مشکل کشا، باب شہرِ علم، دروازہ دار حکمت، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عام الفیل سے تقریباً 29/ برس بعد اور اعلانِ نبوت سے 10/ سال قبل 13/ رجب المرجب بروز جمعہ حرمِ اقدس کے صحنِ بابرکت میں پیدا ہوئے۔

''حضرت مولیٰ نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا دیکھا، حضور ہی کی باتیں سنیں، عادتیں سیکھیں۔'' (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:28، ص:436)

وقتِ بعثت سراپا برکت حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مشرف بہ تصدیقِ ایمان ہوئے، اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ دس سال تھی۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:28، ص:434)

حضرت علی رضی اللہ عنہ 22,23/ سال کی عمر تک مکہ ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور رفاقت میں رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حصولِ معاش کے لیے کوئی خاص پیشہ اختیار نہیں کیا۔ دینی، اخلاقی، روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی اور اپنی زندگی کے بقیہ اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و حمایت کے لیے وقف کر دیے۔ آپ کی جلوت و خلوت کی مجلسوں اور دعوت و تبلیغ کی سرگرمیوں میں ساتھ رہے، کاتبِ وحی بھی رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست اور زیادہ سے زیادہ حصولِ علم و تربیت کے جو مواقع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میسر آئے، کسی دوسرے صحابی کو میسر نہ آسکے، اسی لیے باب مدینۃ العلم کہلائے۔ (عشرۂ مبشرہ، بشیر ساجد، ص:644)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے یمن کی طرف بھیج رہے ہیں، لوگ مجھ سے قضا کے متعلق سوال کریں گے، حالاں کہ مجھے قضا کا کوئی علم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، قریب آؤ۔ میں قریب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا پھر دعا کی۔ اے اللہ! اس کی زبان کو ثابت اور دل کو ہدایت پر رکھ۔ اس ذات کی قسم جس نے دانہ اگایا اور روح کو پیدا کیا، اس کے بعد مجھے کبھی دو آدمیوں کے درمیان قضا کرنے میں شک نہیں ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اہلِ مدینہ میں سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے حضرت علی ہیں۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی ایسی مشکل سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے جس کے حل کے لیے حضرت علی نہ ہوں۔ (اسد الغابہ، ج:4، ص:23)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان و شوکت، قدر و منزلت، زہد و تقویٰ، علم و عمل، ہمت و شجاعت، صبر و شکر، فضل و کمال اور جملہ اوصاف و سیرت پر تاریخ کے زریں اوراق شاہد عادل ہیں۔ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، آثار مرویہ آپ کی زندگی کا آئینہ ہیں۔ متعدد آیات و احادیث آپ کی شان میں وارد و نازل ہوئیں۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت جس حدیث کو ملی وہ ہے: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْم و علی بابھا. ہر زمانے کے علما، خطبا، فقہا، صوفیہ، مصنفین، سیرت نگار، مورخین نے اس حدیث کو بیان کیا۔ اپنی کتابوں میں اس سے استدلال کیا اور ایک جہانِ علم و فن نے اسے قبول کیا۔ لیکن آج کچھ لوگ اس حدیث کو باطل و موضوع لکھ رہے ہیں، کہہ رہے ہیں اور بیان کر رہے ہیں۔ اس لیے مناسب سمجھا کہ اس حدیث کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے بارے میں ائمۂ فن کی تحقیق و رائے معلوم کی جائے۔ تو لیجیے ملاحظہ کیجیے ایک مختصر مطالعہ:

یہ حدیث متعدد صحابۂ کرام سے مروی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

**(1) حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت:**

"حدثنا ابو الصلت عبد السلام بن صلاح الھروی حدثنا ابو معاویہ الضریر عن الاعمش عن مجاھد





عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلہ اللہ علیہ وسلم انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن اراد العلم فلیاتہ من بابہ." (معجم کبیر طبرانی، ج: 11، ص: 66/ مستدرك حاكم، ج: 3، ص: 126/ اتحاف السادہ زبیدی، ج:6، ص: 244/ اسرار مرفوعہ ملا علی قاری، ص: 118/ مجمع الزوائد ھیثمی، ج:9، ص: 114/ )

**از ابو الصلت از ابو معاویہ از اعمش از مجاہد از عبد اللہ بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں علم کا شہر ہوں، اور علی اس کا دروازہ، جو علم چاہے وہ دروازہ سے آئے۔**

**(2) حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت:**

"عن احمد بن عبد اللہ الحرانی عن عبد الرزاق حدثنا سفیان الثوری عن عبد اللہ بن عثمان بن خثیم عن عبد الرحمٰن بن بھمان التیمی سمعت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ وھو آخذ بید علی، ھذا امیر البررۃ قاتل الفجرۃ منصور من نصر مخذول من خذلہ ثم مدبھا صوتہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب." (المجروحین للحبان، ج:اول، ص: 152 - 153/ الکامل لابن عدی، ج:اول، ص: 192/ تاریخ بغداد للخطیب، ج:2، ص: 377 و ج:4، ص: 218/ موضوعات ابن جوزی ج:1، ص: 353)

**از احمد حرانی از عبد الرزاق از سفیان ثوری از عبد اللہ از عبد الرحمٰن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا، یہ اچھوں کے امیر، کافروں کو قتل کرنے والے ہیں وہ منصور ہیں جس نے مدد کی وہ رسوا ہے جس نے انھیں شرمندہ کیا، پھر آپ نے بہ آواز بلند فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ تو طالب علم کو دروازے پر آنا چاہیے۔**

**(3) حضرت انس بن مالک کی روایت:**

"قال محمد بن جعفر الشاشی نا ابو صالح احمد بن مزید نا منصور بن سلیمان الیمامی، نا ابراھیم بن سابق نا عاصم بن علی حدثنی ابی عن حمید الطویل عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا مدینۃ العلم و علی بابھا و حلقتھا معاویۃ." (مسند الفردوس دیلمی، ج:اول، ص:44-/ مقاصد حسنہ سخاوی، ص:189)

**حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ اور معاویہ دروازہ کا حلقہ ہیں۔**

**(4) حضرت ابو سعید الخدری کی روایت:**

"حدثنا محمد بن البھلول الموالی حدثنی محمد بن الحسین حدثنی عیسیٰ بن مھران حدثنی عبید اللہ بن موسیٰ حدثنی خالد بن طھمان الخفاف سمعت سعید بن جنادۃ العوفی یذکر انہ سمع زید بن ارقم یقول انہ سمع ابا سعید الخدری یقول انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول علی بن ابی طالب سید العرب فقیل ألیس انت سید العرب قال انا سید ولد آدم و علی سید العرب من احبہ و تولاہ احبہ اللہ و ھداہ و من أبغضہ و عاداہ اصمہ اللہ و اعماہ علی حقہ کحقی و طاعتہ کطاعتی غیر انہ لا نبی بعدی من فارقہ فارقنی ومن فارقنی فارق اللہ انا مدینۃ الحکمۃ و ھی الجنۃ و علی بابھا." (مائۃ منقبۃ، ص: 94)

**حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ علی ابن ابی طالب سید العرب ہیں۔ کہا گیا، یا رسول اللہ! کیا آپ سید العرب نہیں ہیں؟ فرمایا میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور علی عربوں کے سردار ہیں، جو علی سے محبت و پیار کرے، اللہ تعالیٰ اسے پسند و محبوب رکھے اور اسے ہدایت دے اور جو علی سے بغض و دشمنی رکھے اللہ اسے گونگا اور اندھا کر دے۔ علی کا حق میرے حق کی طرح ہے۔ اس کی طاعت میری طاعت ہے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ جس نے علی سے جدائی اختیار کی اس نے مجھ سے جدائی کی اور جس نے**

مجھ سے جدائی اختیار کی وہ اللہ تعالیٰ سے جدا ہوا۔ میں شہرِ حکمت و جنت ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

(5) حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت:

"ابنأنا ابو الفرج غیث بن علی الخطیب حدثنی ابو الفرج الاسفرائینی بلفظة غیر مرة قال کان ابن المثنیٰ یعظ بدمشق فقام الیه رجل فقال ایها الشیخ ما تقول فی قول النبی صلی الله علیه وسلم انا مدینة العلم و علی بابها فقال فاطرق لحظة ثم رفع راسه و قال نعم . لا یعرف هذا الحدیث علی التمام الامن کان صدرا فی الاسلام انما قال النبی صلی الله علیه وسلم انا مدینة العلم و ابو بکر اساسها و عمر حیطانها و عثمان سقفها و علی بابها." (تاریخ دمشق ابن عساکر، ج:9، ص:20/مسند الفردوس دیلمی ج: 1،ص: 44-43 مقاصد حسنه سخاوی ،ص:189)

غیث بن علی خطیب نے کہا مجھ سے ابوالفرج اسفرائنی نے کئی مرتبہ بیان کیا کہ ابن مثنی دمشق میں وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص اٹھا اور کہا اے شخص رسولِ پاک کے اس قول انا مدینة العلم و علی بابها کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر سر اٹھایا اور فرمایا اس حدیث کو مکمل طور پر نہیں جانتا ہے مگر جو صدر اسلام میں تھا، بلاشبہ سرکار نے فرمایا میں شہر علم ہوں، ابوبکر اس کی بنیاد، عمر اس کی دیوار، عثمان اس کی چھت اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

**نوٹ:** اس حدیث کو امام دیلمی نے بلاسند کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے لیکن امام ابن عساکر نے اس کو مذکورہ سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(6) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت:

"حدثنا اسماعیل بن موسیٰ نا محمد بن عمر الرومی نا شریك عن سلمة بن کهیل عن سوید بن غفلة عن الصنابحی عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا دار الحکمة وعلی بابها." (سنن ترمذی، ج:2،ص: 214)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

مذکورہ حدیث کے سلسلے میں ائمۂ حدیث مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ حدیث موضوع ہے اور بعض اسے ضعیف یا حسن یا صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ذیل میں دونوں قسم کے اقوال ملاحظہ کیجیے۔

## رد کرنے والے علما کے اقوال:

(1) شیخ ابن عدی نے کہا:

"هذا حدیث منکر موضوع۔" (الکامل فی الضعفاء، ج:1،ص:192)

یہ حدیث منکر موضوع ہے۔

(2) شیخ ابن حبان نے کہا:

"هذا شئی لا اصل له." (المجروحین، ج:2، ص:151)

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔

(3) حافظ ذہبی نے کہا:

"هذا الحدیث غیر صحیح." (تذکرة الحفاظ، ج:1،ص:123)

یہ حدیث صحیح نہیں۔

(4) حافظ ابن کثیر نے کہا:

"هذا موضوع و اسناده مظلم." (بدایه نهایه، ج:11، ص: 96)

یہ موضوع ہے اور اس کی اسناد تاریک ہے۔

(5) امام دارقطنی نے بعض اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھا:

"والحدیث مضطرب غیر ثابت." (کتاب العلل، ج:3، ص:248)

یہ حدیث مضطرب غیر ثابت ہے۔

(6) حافظ عقیلی نے کہا:

"لا یصح فی هذا المتن حدیث." (کتاب الضعفاء عقیلی، ج:3، ص:149)

اس متن کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔





(7) شیخ ابن العربی مالکی نے کہا:

"هذا حدیث باطل۔" (احکام القرآن، ج:3، ص:1114)

یہ حدیث باطل ہے۔

(8) شیخ ابن الجوزی نے کہا:

"والحدیث لا اصل له." (الموضوعات، ج:1،ص:353)

اس حدیث کے لیے کوئی اصل نہیں۔

(9) امام نووی نے کہا:

"فحدیث باطل." (تهذیب الاسماء واللغات، ج:1،ص:348)

یہ حدیث باطل ہے۔

## تسلیم کرنے والے علما کے اقوال:

(1) امام ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو موضوع کہنے والوں کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا:

"هذا الحدیث له طرق کثیرة فی مستدرك الحاکم . اقل احوالها ان یکون للحدیث اصل، فلا ینبغی ان یطلق القول علیه بالوضع." (اللسان، ج:2،ص:123)

امام حاکم کی مستدرک میں اس حدیث کی کثیر طرق ہیں۔ کم از کم اس حدیث کے لیے اصل موجود ہے لہٰذا اس پر موضوع ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں۔

(2) امام زکریا انصاری نے کہا:

"ان الحدیث من قسم الحسن لا یرتقی الی الصحة ولا یخط الی الکذب." (اللآلی المصنوعة، ج:1،ص:334)

یہ حدیث حسن کی قسموں میں سے ہے، نہ تو درجۂ صحت پر فائز ہے، نہ تو کذب تک پہنچی ہوئی ہے۔

(3) امام سیوطی نے فرمایا:

"هذا حدیث حسن علی الصواب." (تاریخ الخلفاء،ص:170)

درست یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(4) امام سخاوی نے کہا:

"احسنها حدیث ابن عباس بل هو حسن." (مقاصد حسنه سخاوی،ص:189)

اس معنی کی حدیثوں میں ابن عباس کی حدیث سب سے اچھی ہے بلکہ حسن ہے۔

(5) قاضی شوکانی نے کہا:

"هذا الحدیث حسن لغیره نظراً لکثرة طرقه او کما قال." (الفوائد المجموعة،ص:349)

یہ حدیث کثرت طرق کے سبب حسن لغیرہ ہے۔

(6) امام یحییٰ بن معین سے قاسم بن عبدالرحمٰن انباری نے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

"هذا الحدیث صحیح." (تاریخ بغداد، ج:11، ص:48)

یہ حدیث صحیح ہے۔

(7) شیخ ابن تیمیہ سے ابن عطاء اللہ نے ایک مرتبہ پوچھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے کہا:

"فی الحدیث الصحیح ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انا مدینة العلم و علی بابها." (مناظرات ابن تیمیه مع فقهاء عصره، ص:14)

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں شہرِ علم ہوں اور علی بابِ علم ہیں۔

(8) امام حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو نقل کرکے فرمایا:

"هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه." (المستدرك للحاکم، ج:3،ص:126)

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، مگر امام بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔

(9) حافظ صلاح الدین ابوسعید خلیل العلائی دمشقی نے کہا:

"ای استحالة فی ان یقول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مثل هذا فی حق علی رضی الله تعالیٰ عنه ؟ ولم یأت کل من تکلم فی هذا الحدیث وجزم بوضعه بجواب عن هذه الروایات الصحیحة عن ابن معین و مع ذالك فله شاهد رواه الترمذی فی جامعه." (اللآلی المصنوعة، ج:1،ص:333)

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی کے بارے میں

اس طرح قول کرنے میں کیا استحالہ ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث پر کلام کیا اور موضوع کہا وہ امام ابن معین سے مروی روایات صحیحہ کا جواب نہ لاسکے۔ اس کے باوجود اس حدیث کے لیے شاہد موجود ہے جس کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کی ہے۔

**(10)** حافظ ابوعبداللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی متوفی 658ھ نے اس حدیث کی تخریج اپنی کتاب میں کر کے فرمایا:

"قلت هذا حديث حسن عال...... و مع هذا فقد قال العلماء من الصحابة و التابعين و اهل بيته بتفضيل علی رضی الله عنه و زيادة علمه و غزارته وحدة فهمه و وفور حكمته. و حسن قضاياه و صحة فتواه و قد كان ابو بكر و عمر و عثمان وغيرهم من علماء الصحابة يشاورونه فی الاحكام ياخذون بقوله فی النقض والابرام اعترافا منهم بعلمه ووفور فضله و رجاجة عقله و صحة حكمه و ليس هذا الحدبث فی حقه كثير لان رتبته عند الله و عند رسوله و عند المومنين من عباده اجل و اعلی من ذالك."

(کفایت الطالب، ص:202-198)

میں کہتا ہوں یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی حسن ہے......اس کے ساتھ علمائے صحابہ، تابعین اور اہلِ بیت حضرت علی کی افضلیت، ان کے علم کی زیادت و جامعیت، فہم کی حدت، وفورِ حکمت، فیصلہ حسن، فتویٰ کی صحت کے قائل ہیں۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان غنی وغیرہم علمائے صحابہ احکام میں آپ سے مشورہ کرتے تھے۔ نقض و ابرام میں آپ کا قول قبول کرتے تھے۔ آپ کے علم، وفور فضل و عقل اور حکم کی صحت کے معترف تھے اور یہ حدیث ان کے حق میں صداقت سے متجاوز نہیں ہے اس لیے کہ ان کا رتبہ اللہ و رسول اور جملہ مومنین کے نزدیک دوسرے بندوں سے بزرگ و اعلیٰ ہے۔

**(11)** شیخ بدرالدین زرکشی مصری شافعی متوفی 794ھ نے کہا:

"الحديث ينتهی الی درجة الحسن لمحتج به ولا يكون ضعيفا فضلا عن ان يكون موضوعاً." (فیض القدیر، ج:3، ص:47)

یہ حدیث قابلِ احتجاج حسن کے درجے کو پہنچی ہے اور ضعیف نہیں ہے، چہ جائے کہ موضوع ہے۔

**(12)** شیخ جمال الدین محمد طاہر ہندی متوفی 986ھ نے فرمایا:

"فمن حكم بكذبه فقد اخطأ." (کتاب الموضوعات)

جس نے اس حدیث کو موضوع کہا، اس نے خطا کی۔

**(13)** شیخ محمد بن حجر ہیثمی مکی متوفی 974ھ نے فرمایا:

"هو حديث حسن بل قال الحاكم صحيح."

(فتاویٰ حدیثیہ، ص:197)

یہ حدیث حسن ہے بلکہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

**(14)** علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے:

"انا مدينة العلم و علی بابها فمن اراد العلم فليات الباب۔ فان المصطفی صلی الله عليه وسلم المدينة الجامعة لمعانی الديانات كلها ولا بد للمدينة من باب فاخبر ان بابها هو علی كرم الله وجهه فمن اخذ طريقه دخل المدينة و من اخطاه اخطأ طريق الهدیٰ و قد شهد له بالاعلمية الموافق و المخالف و المعادی و المحالف خرج الكلا باذی ان رجلا سأل معاوية عن مسألة فقال! سل عليا هو اعلم منی فقال اريد جوابك قال ويحك كرهت رجلا كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يفره بالعلم عزا و قد كان اكابر الصحب يعترفون له بذالك و كان عمر يساله عما اشكل عليه جاءه رجل فساله فقال هنا علی فساله فقال اريد اسمع منك يا امير المومنين قال قم لا اقام الله رجليك و محی اسمه من الديوان. و صح عنه من طرق."

(فیض القدیر شرح جامع صغیر، ج:3، ص:47-46)

میں شہرِ علم ہوں اور علی اس کا دروازہ، تو جو علم چاہے دروازہ تک آئے۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام معانیِ دینیات کے لیے شہر جامع ہیں اور ہر شہر کے لیے دروازہ درکار، تو خبر دیا کہ علی اس کا دروازہ ہیں، تو جس نے اس راہ کو پکڑا، شہر میں داخل ہوا اور جس نے ترک کیا اس نے راہِ ہدایت میں خطا کی اور حضرت علی کے اعلم ہونے کی شہادت موافق، مخالف، .........

باقی، ص:9 پر



حق نما

# معلم کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شادیوں کے پاکیزہ مقاصد

مولانا تاج محمد خان ازہری

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک دشمنانِ اسلام، اسلام سے زیادہ پیغمبر اسلام کی ذات پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو مجروح کرنے میں ظفریاب ہوگیے تو عمارت اسلام از خود زمیں بوس ہو جائے گی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ کفار مکہ نے۔ ہمیشہ طعن و تشنیع کا نشانہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو بنایا تھا۔ لھذا کبھی آپ کو شاعر کہتے تو کبھی ساحر، کبھی مجنوں کہہ کر پکارا تو کبھی دیوانہ۔ اور آج عصر حاضر میں بھی کفار مکہ کی ناجائز اولاد مستشرقین کبھی اپنے آبا و اجداد کی سنت قبیحہ پر عمل کرتے ہوئے کبھی رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو کبھی شہوت پرست۔ انسان کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع محاسن و کمالات کو بدنام و رسوا کرنے کے لیے مستشرقین نے ہر ممکن کوشش کی مگر ان کی تمام کوششیں ناکام رہیں چونکہ رب کا فرمان عالی شان ہے: (والله يعصمك من الناس، اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرماتا ہے) جس کی حفاظت و حمایت خود رب قدیر فرمائے اسے بھلا کون ذلیل و خوار کر سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ کہ رسول کریم کی ذات مقدسہ کے متعلق مستشرقین کی تمام ہرزہ سرائیاں تعصب، حسد اور بغض عناد پر مبنی ہیں۔ اگر مستشرقین ان اوصاف مذمومہ کو بالائے طاق رکھ کر محمد عربی روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یکتائے روزگار شخصیت کو عدل و انصاف کی نگاہ سے دیکھتے تو وہ بھی یقیناً حضرت حسان کی طرح پکار اٹھتے:

واجمل منك لم تری قط عينی
واحسن منك لم تلد النساء
خلقت مبرا من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

لیکن انسان جب کسی کی ذات کو عصبیت و عداوت اور تنقید مذموم کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اس کی خوبیاں بھی خامیاں نظر آتی ہیں۔ یہی مستشرقین کے ساتھ بھی ہوا۔ گو کہ رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں ایسے اعلی اور پاکیزہ اہداف کے پیش نظر کی تھیں کہ جن تک مستشرقین کے سطحی اور مریض اذہان کی رسائی بھی ناممکن ہے۔ لیکن ذرا ان کی چیرہ دستی تو دیکھیے کہ پیغمبر اسلام کو نفس پرست اور شہوت پرست کہتے ہوئے انھیں غیرت نہ آئی۔ جب کہ یہی کام (متعدد شادیاں) الہامی اور غیر الہامی ادیان کی دیگر مذہبی شخصیات نے بھی کیا ہے مگر اس پر مستشرقین نے کوئی واویلا نہیں مچایا، ع: برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر۔ مثلاً ہندوازم کو لے لیجیے، رام چندر جی کے والد راجہ دسرت کی تین بیویاں تھیں، سری کرشن جی کی سینکڑوں بیویاں تھیں اور راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں۔ اور اگر الہامی مذاہب میں دیکھا جائے تو خود یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں، بنی اسرائیل کے جد اعلی حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی بھی چار بیویاں تھیں۔ لیکن مستشرقین نے کبھی ان شخصیات پر انگشت نمائی نہیں کی۔ اس کے باوجود ہمیں مستشرقین سے نہ تو کوئی شکوہ ہے اور نہ ہی کوئی گلہ، بلکہ ہمیں اس بات پر فخر ہے، چونکہ لوگ پتھر اسی درخت پر مارتے ہیں جو ثمر بار ہوتا ہے۔ بس مستشرقین سے صرف اتنی گزارش تھی کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نفس پرستی اور شہوت پرستی جیسی بھونڈی تہمت لگانے سے قبل ان تاریخی حقائق کے مطالعے کی زحمت کر لیں:

☆ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اس جنسی اباحیت کے ماحول میں اپنا عالم شباب حالت تجرد میں گزارا، لیکن کسی کو آپ کے دامن عفت و عصمت پر کوئی دھبہ نظر نہیں آیا۔

☆ آپ کے حسن و جمال اور خاندانی وجاہت کے سبب ان دوشیزاؤں کی ہرگز کمی نہ تھی جو آپ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی تھیں، مگر اس کے باوجود آپ نے پچیس سالہ نوجوانی میں چالیس سالہ بیوہ اور کئی بچوں کی ماں سے عقد فرمایا، اور

یہی نہیں بلکہ جب تک وہ خوش نصیب خاتون باحیات رہیں بھی نکاح ثانی کے بارے میں آپ نے سوچا بھی نہیں۔

☆ پہلی بیوی کی وفات کے بعد آپ نے جس خاتون سے شادی کی وہ ایک بیوہ اور عمر رسیدہ خاتون تھیں۔

☆ صرف ایک بیوی حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کے علاوہ آپ کی تمام ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی باکرہ نہ تھیں، حالانکہ رسول پاک اپنے جاں نثار صحابہ کو باکرہ عورتوں سے شادی کی ترغیب دیتے تھے۔

مذکورہ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں شہوت پرستی اور نفس پرستی کی خاطر نہیں کی تھیں بلکہ ان کی شادیوں کے پیچھے دیگر اغراض و مقاصد پوشیدہ تھے۔ جنہیں ہم آئندہ سطور میں بعون اللہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے:

**تشریعی مقاصد**: زمانۂ جاہلیت میں ایسی کئی رسمیں موجود تھیں جن سے انسانی معاشرے میں بڑے سنگین مسائل پیدا ہوتے تھے، تباہ کن نتائج کی حامل ہونے کے باوجود، اس قسم کی رسمیں لوگوں کی زندگیوں میں یوں رچ بس چکی تھیں کہ کسی انسان کے لیے ان رسموں کی مخالفت کا تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فریضۂ نبوت ورسا... ...ں جس طرح خدا کی زمین کو بتوں سے پاک کرنے کا کام شامل تھا اسی طرح انسانی معاشرے سے تمام غلط اور ضرر رساں رسموں کا قلع قمع کرنا بھی آپ کے فرائض نبوت میں سے ایک تھا۔ ایسی رسمیں جو انسانوں کی رگ و پے میں سما چکی تھیں ان کو ختم کرنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود ان رسموں کے خلاف عمل کر کے لوگوں کے سامنے نمونہ پیش نہ کرتے۔

اس قسم کی رسموں میں سے ایک رسم کسی غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے کی بھی تھی۔ ایک شخص کسی اجنبی کے بیٹے کو کہہ دیتا کہ تو میرا بیٹا ہے اس کے اس قول سے وہ اس کا بیٹا قرار پاتا اور نسب، میراث، طلاق، شادی اور مصاہرت کے تمام مسائل میں اس کی حیثیت ایک حقیقی بیٹے جیسی ہو جاتی، اس طرح معاشرے میں بے شمار مسائل جنم لیتے۔ مستحق لوگ میراث سے محروم ہو جاتے اور ایک غیر مستحق شخص ساری زمین و جائداد کا وارث بن جاتا۔ محرمات کے سلسلہ میں یہ رسم انتہائی تباہ کن نتائج برآمد کر سکتی تھی۔ لہذا اس رسم کو ختم کرنا ضروری تھا لیکن جو شخص صدیوں پرانی رسم کو ختم کرنے کی کوشش کرتا، اس پر ہر طرف سے طعن و تشنیع کے تیروں کی بارش برستی۔ یہ فریضہ اتنا کٹھن تھا کہ اللہ تعالی نے اس کی ادائیگی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خادم کی بجائے خود آپ کو منتخب فرمایا اور آپ کو یہ قدیم رسم توڑنے کا حکم دیا۔ اس رسم کو توڑنے پر ہر طرف سے طعن و تشنیع کے تیر برسے لیکن حضور نے ثابت قدمی اور استقلال سے سب کچھ برداشت کیا اور تنقید کرنے والوں کی تنقید کا جواب آپ کے رب کریم نے خود دیا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی خاص طور پر اسی مقصد کے لیے ہوئی تھی۔ اس شادی کے لیے احکام حضور کو بارگاہ خداوندی سے وحی متلو یعنی قرآن حکیم کے ذریعہ ملے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے دستور کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو متبنی بنایا۔ اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش کے ساتھ ان کا نکاح کیا۔ اللہ تعالی نے لے پالک بیٹے کے متعلق غلط رسموں کو ختم کرنے کے لیے تدبیر یہ کی کہ حضرت زید بن حارثہ حضرت زینب کو طلاق دیں اور عدت گزرنے کے بعد حضور حضرت زینب کے ساتھ نکاح کر لیں۔ حضور کو خدشہ یہ تھا کہ اس نکاح کی صورت میں منافقین، یہودی اور دیگر دشمنان اسلام طوفان بدتمیزی برپا کریں گے اور کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو انسانوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، آپ تو صرف اور صرف خدا سے ڈریں۔ اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں واضح الفاظ میں فرمایا

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْہَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَہَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِہِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْہُنَّ وَطَرًا. وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا.

(الاحزاب 37)۔

پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا نکاح کر دیا تاکہ ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے





بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں۔ اللہ تعالی کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کے حکم سے حضرت زینب کو اپنے نکاح میں لے لیا جو آپ کے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ تھیں۔ جب امتیوں کے سامنے اپنے پیارے نبی کی سنت آ گئی تو اب اس غلط رسم کے خلاف عمل کرنے میں ان کے راستے میں کوئی شے مانع نہ رہ گئی۔ اس شادی کے ذریعہ حضور نے ایک بہت بڑا سماجی مسئلہ حل کیا تھا اور ایک انتہائی اہم قانون عملاً نافذ کیا تھا لیکن مستشرقین حضور کے اس حکیمانہ طرز عمل کو آپ کے اخلاق کو داغ دار کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ حضور کی شادی کو مستشرقین نے انتہائی ناگفتہ بہ انداز میں اچھالا ہے شاید انہیں اس بات کا علم نہیں کہ حضور کے متعدد خواتین کے ساتھ نکاح کرنے کے کچھ مقاصد تشریعی نوعیت کے تھے اور حضرت زینب کے ساتھ آپ کی شادی اس کی بہترین مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زینب دیگر امہات المؤمنین کے سامنے اس بات پر فخر کا اظہار کرتی تھیں کہ حضور کے ساتھ تمہاری شادیاں تو تمہارے اہل خانہ نے کی ہیں لیکن حضور کے ساتھ میری شادی خود رب کریم نے سات آسمانوں کے اوپر کی ہے۔

**تعلیمی اغراض**: انسانی زندگی کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق خصوصی طور پر عورتوں کے ساتھ ہے۔ اسلام ان نسوانی مسائل کے متعلق بھی تفصیلی رہ نمائی فراہم کرتا ہے، کیونکہ صنف نازک نصف امت ہے اور اسلام نصف امت کے مسائل کو نظر انداز نہ کر سکتا تھا۔ جن مسائل کا تعلق عورتوں کی نسوانی زندگی کے ساتھ ہے ان کے متعلق کوئی عورت کسی غیر محرم مرد کے ساتھ گفتگو کرنے سے شرماتی ہے۔ گو اہل مغرب ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہونچ گئے ہیں جہاں شرم و حیا کی انسانی اقدار معاشرے سے رخصت ہو گئی ہیں، لیکن ان کی یہ ترقی انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالی نے انسانوں کی فطرت میں حیا کا مادہ رکھا ہے اور جو چیزیں انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہیں ان میں شرم و حیا کی صفت بہت اہم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مسائل کے متعلق جو تعلیمات لے کر مبعوث ہوئے تھے ان تعلیمات کو امت کی عورتوں تک پہونچانے، عورتوں کو وہ مسائل سمجھانے اور ان پر عمل کر کے دکھانے کے لیے آپ کو ایسی معلمات کی ضرورت تھی جو انتہائی پاک باز، ذہین، فطین، دیانت دار اور متقیہ ہوں اور فریضۂ رسالت کی تبلیغ کے لیے مخلص کارکنوں کی حیثیت سے کام کر سکتیں۔ جو حضور کی گھریلو زندگی کی تفصیلات کو محفوظ کرتیں، انہیں امانت اور دیانت کے ساتھ امت کی عورتوں تک پہنچاتیں، ملت کی عورتیں اپنے جن مسائل کو حضور کی خدمت میں پیش کرنے سے شرماتی تھیں، ان عورتوں سے وہ مسائل سنتیں، ان مسائل کو حضور کی خدمت میں پیش کرتیں، حضور اس مسئلے کا جو حل بتاتے اسے عورتوں تک پہنچاتیں اور ان کو ان پر عمل کرنے کا طریقہ بھی سمجھاتیں۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا تھا اور بہت جلد ان نفوس قدسیہ کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی تھی جن کی تعلیم کا فریضہ معلم کائنات کو انجام دینا تھا۔ صرف ایک بیوی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ان گوناگوں ذمہ داریوں سے تنہا عہدہ برآ ہو سکتی۔

جب اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے کہ حضور جب اپنے امتیوں کو باکرہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی ترغیب دیتے تھے تو آپ نے خود اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقاصد کے تحت شادیاں کی تھیں ان مقاصد کے لیے آپ کو تجربہ کار اور جہاں دیدہ خواتین کی ضرورت تھی اور آپ نے ان ہی خواتین کا انتخاب فرمایا جو اس مقصد کے لیے معاون ثابت ہو سکتی تھیں۔ آپ نے ایک کے سوا تمام بیوہ خواتین کو اپنی زوجیت میں لیا۔ یہ خواتین بیوہ تو تھیں لیکن ذہانت، فطانت اور دیانت داری میں اپنی مثال آپ تھیں۔ حضور نے جس ایک باکرہ خاتون کو شرف زوجیت بخشا وہ بھی اپنی صغرسنی کے باوجود مذکورہ بالا صفات میں کسی جہاں دیدہ خاتون سے کم نہ تھیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا مقاصد کو جس حسن و خوبی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پورا کیا وہ انہیں کا حصہ ہے۔

عورتوں کے مسائل، مثلاً حیض، نفاس، جنابت اور امور زوجیت کے مسائل ایسے تھے جو نہ تو عورتیں کھل کر حضور کے سامنے پیش کر سکتی تھیں اور نہ ہی حضور کھل کر ان کا جواب دے سکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرم و حیا حضور کی صفات میں سے ایک اہم ترین صفت ہے اور حدیث کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ حضور اتنے حیادار تھے جتنی حیادار دلہن اپنے حجلۂ

عروسی میں ہوتی ہے۔ حضور کی تبلیغی زندگی میں بعض ایسی مثالیں موجود ہیں کہ کسی خاتون نے کوئی مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اشارے اور کنائے کے ذریعہ اس مسئلہ کا جواب سائلہ کو سمجھانا چاہا لیکن وہ اس مسئلے کو نہ سمجھ سکی۔ ہم یہاں اس قسم کی ایک مثال پیش کرتے ہیں تا کہ یہ بات سمجھنے میں آسانی ہو کہ حضور کی ازواج مطہرات نے کس طرح امت کی خواتین کو دین کے مسائل سمجھانے میں اہم رول ادا کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک انصاری کی عورت نے حضور سے غسل حیض کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے اسے غسل حیض کا طریقہ سمجھایا اور فرمایا: ایک خوشبودار روئی کا گالا لو اور اس کے ذریعہ طہارت حاصل کرو۔ اس عورت نے عرض کیا: روئی کے گالے کے ذریعے کیسے طہارت حاصل کروں؟ حضور نے فرمایا: اس کے ساتھ طہارت حاصل کرو۔ اس نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے ذریعہ کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اس کے ساتھ طہارت حاصل کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے یہ صورت دیکھی تو اس عورت کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اسے بتایا کہ اس روئی کے گالے کو فلاں مقام پر رکھو اور اس کے ذریعہ خون کا اثر ختم کرو۔ فرماتی ہیں: میں نے اس عورت کو تفصیل سے سمجھایا کہ روئی کے گالے کو کس مقام پر رکھنا ہے۔

قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسئلہ طہارت کا تھا جو اسلام کی اکثر عبادات کے لیے شرط ہے۔ اس عورت کے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اس مسئلے کے متعلق حضور سے استفسار کرے۔ لیکن حضور حیا کی وجہ سے اس غیر محرم عورت کے سامنے اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس صورت حال میں ایک ایسی خاتون کی ضرورت تھی جو حضور کی محرم ہو اور اس مسئلے کی تفصیلات کو حضور سے سیکھ کر اس عورت کو سمجھا سکے۔ یہی کام اس موقعہ پر حضرت عائشہ صدیقہ نے سرانجام دیا اور باقی امہات المؤمنین نے بھی اسی انداز میں تعلیم امت کے فریضہ کی ادائیگی میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ مسلمان عورتوں کا معمول یہ تھا کہ جب ان کو اس قسم کا کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ امہات المؤمنین میں سے کسی کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور اپنا مسئلہ عرض کرتیں۔ ان کو اگر اس مسئلے کا حل پہلے سے معلوم ہوتا تو ان عورتوں کو بتا دیتیں ورنہ حضور سے پوچھ کر سائلہ کو اس مسئلے کا حل سمجھا دیتی تھیں۔

ازواج مطہرات کی علمی خدمات صرف خواتین کے مسائل کے ساتھ ہی خاص نہیں تھیں بلکہ حضور کی بے شمار قولی اور فعلی سنتیں، جن کا تعلق خانگی زندگی کے ساتھ تھا، ان سنتوں کو محفوظ کرنے اور امانت داری کے ساتھ ان کو امت تک منتقل کرنے کا مقدس فریضہ بھی ان خوش قسمت خواتین نے ہی ادا کیا ہے۔ اس لیے امہات المؤمنین عورتوں کے جملہ مسائل کی بھی معلمات تھیں اور مردوں کے خانگی مسائل، خصوصاً جن کا تعلق حضور کی سنت فعلی کے ساتھ تھا وہ بھی امت تک حضور کی ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ پہنچے ہیں۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضور کی ازواج مطہرات صرف امہات المؤمنین ہی نہیں بلکہ وہ ملت کی معلمات بھی ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ امت محمدیہ کو آدھا دین حضور کی ازواج مطہرات کی وساطت سے ہی ملا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امت پر ان کے احسانات کی وجہ سے انہیں ساری امت کی مائیں قرار دیا گیا اور حضور کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے ساتھ کسی دوسرے کے نکاح کو حرام قرار دیا گیا۔

تعلیم دین کے یہ مدرسے حضور کی حیات طیبہ میں بھی اور آپ کے انتقال کے بعد بھی علم کا نور پھیلاتے رہے۔ اکابر صحابۂ کرام بھی مشکل ترین مسائل کا حل دریافت کرنے کے لیے کسی ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہاں سے انہیں مشکل ترین سوالات کے سہل ترین جوابات مل جاتے تھے۔ اس طرح حضور نے تعدد زوجات کے قانون کو ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کے لیے استعمال کیا جس میں ماہرین علوم اسلامیہ کی ایک جماعت علمی خدمات انجام دینے میں مصروف تھی۔ جو شخص حضور کی شادیوں کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس اہم ترین مقصد کو نظر انداز کر دیتا ہے وہ اس مسئلے کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟

**سماجی مقاصد:** وفاداری اہم ترین انسانی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ دوست کا حق دوستی ادا کرنے کی کوشش کرنا، محسن کے احسان کو یاد رکھنا، خادم کی خدمات کو فراموش نہ کرنا، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو انسانیت کا زیور شمار ہوتی ہیں، اسلام وفا کا دین ہے اور اسلام کا پیغمبر وہ ایسا مہربان ہے جسے دنیا میں تو کیا قیامت کے روز بھی اپنے غلاموں کی فکر ہوگی۔ حضور نے جب شرک کی ظلمتوں میں نعرۂ توحید بلند کیا تھا اس وقت آپ کی دعوت کو قبول کرنا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا۔ ان مشکل ترین حالات میں بھی کچھ نفوس قدسیہ ایسے تھے جنہوں نے حضور کی دعوت قبول کرنے میں ذرا بھی تامل و تاخیر نہیں کی اور پھر اس کٹھن ترین مشن کے ایک ایک مرحلے پر وہ آپ کے دست و بازو بنے رہے۔ اس راستے میں انہوں نے حضور اور آپ کی دعوت کے لیے جو قربانیاں دیں وہ تاریخ جاں نثاری کا ایک زریں باب ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فداکاروں کے اس مقدس قافلے کے سرخیل ہیں اور اس قافلے میں جو نفوس قدسیہ شامل تھے ان میں عمر فاروق، عثمان غنی، حیدر کرار اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسی مقدس ہستیوں کے نام آتے ہیں۔ ہجرت کے بعد انصار مدینہ نے حضور کے مشن کے لیے جو قربانیاں دی تھیں، ان کی مثال بھی پیش کرنے سے تاریخ عالم عاجز و قاصر ہے۔

حضور کے غلاموں کی ان جاں نثاریوں کا اصل صلہ تو قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا لیکن حضور نے اس دنیا میں بھی ان غلاموں کو نوازنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انصار کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے کی جو تاکید امت کو حضور نے بار بار فرمائی ہے، وہ آپ کی شان کریمی کا اظہار ہے۔ اپنے خادموں کو نوازنے کے لیے حضور نے ایک اسلوب یہ اپنایا کہ آپ نے ان کے ساتھ رشتۂ مصاہرت قائم کیا۔ آپ نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی صاحب زادیوں کو اپنے نکاح میں لیا۔ حضرت علی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں اپنی صاحبزادیاں دے کر ان کے ساتھ رشتۂ مصاہرت قائم کیا، ان غلاموں کے لیے حضور کی اس عطا سے بڑی کسی نعمت کا تصور بھی ناممکن تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور کو اپنے باپ پر ترجیح دی تھی اور حضور کی غلامی کو آزادی اور ناز و نعمت کی زندگی سے بہتر سمجھا تھا اور پھر تبلیغ حق کے کٹھن فریضے میں قدم قدم پر جاں نثاری کے مظاہرے کیے تھے۔ حضور نے اپنی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ کر کے ان کی عزت افزائی فرمائی۔

جن لوگوں کے ساتھ حضور نے اپنی شادیوں کے ذریعہ رشتۂ مصاہرت قائم کیا تھا، انہیں بھی اس بات کا علم تھا کہ حضور نے ان کی دل جوئی کی خاطر یہ رشتہ قائم فرمایا ہے۔ وہ اس رشتے کے قیام پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ممنون احسان تھے۔

حضرت صدیق اکبر کو تو حضور کی غلامی پر ناز تھا۔ انہوں نے حضور کے لیے سب کچھ قربان کر دیا تھا، اس کے باوجود ان کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے حضور کے احسانات کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن حضور نے ان کی ان قربانیوں کو فراموش نہ کیا تھا جو انہوں نے آپ کے مشن کی خاطر دی تھیں۔ آپ اپنے صدیق کے متعلق ان جذبات کا اظہار فرماتے تھے: (ہم پر جس کسی نے کوئی احسان کیا ہے ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے، سوائے ابوبکر صدیق کے، کیوں کہ ان کے ہم پر وہ احسانات ہیں جن کا بدلہ انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال سے پہنچا ہے۔ میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی، اس نے قبول کرنے میں تردد کیا لیکن ابوبکر نے بغیر کسی تردد کے میری دعوت کو قبول کر لیا۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق کو ہی خلیل بناتا۔ سنو! تم اس بات سے آگاہ رہو کہ تمہارے نبی خدا کے خلیل ہیں) جس شخص کے متعلق حضور کے دل میں اس قسم کے جذبات تھے، اس کو آپ دنیا میں جو سب سے بڑا معاوضہ عطا کر سکتے تھے، وہ یہ تھا کہ آپ اس کے ساتھ رشتۂ مصاہرت قائم فرماتے۔ یہ اعزاز آپ نے اپنے صدیق کو عطا فرمایا اور ان کی صاحبزادی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

جن نفوس قدسیہ نے دبستان نبوت میں تربیت حاصل کی تھی ان کے درمیان مال و دولت، جاہ و حشمت اور اس قسم کی عارضی چیزوں میں تو باہم مقابلہ ہی نہیں ہوتا تھا البتہ نیکی کے کاموں میں وہ باہم مسابقت ضرور کرتے تھے۔ دین اسلام کے لیے حضرت فاروق اعظم کی خدمات کو کون نہیں جانتا۔ ان کو صحابہ کرام میں بہت بلند مقام حاصل تھا لیکن انہیں شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ وہ نیکیوں میں صدیق اکبر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اپنے اس احساس کا انہوں نے کئی بار اظہار بھی فرمایا تھا۔ حضور نے جب صدیق اکبر کو اپنے ساتھ رشتۂ مصاہرت میں منسلک کیا تو آپ نے اپنے اس دوسرے مخلص ترین صحابی کو بھی وہ اعزاز عطا فرمانا چاہا جو صدیق اکبر کو عطا فرمایا تھا۔

حضرت فاروق اعظم کی صاحب زادی بیوہ ہو گئی تھیں۔ اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے ان کا فکر مند ہونا قدرتی بات تھی۔ حضور نے ان کی بیوہ بیٹی کو اپنی زوجیت میں قبول فرما کر ایک طرف تو ان کی پریشانی دور فرمائی اور دوسری طرف ان کو وہ اعزاز عطا فرمایا جو ان

کے لیے حاصل حیات تھا۔ جس طرح صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی صاحبزادیوں کے ساتھ حضور کی شادیوں کے مقاصد میں سے ایک مقصد اپنے غلاموں کی دل جوئی تھا اسی طرح آپ کی دیگر کئی شادیوں میں بھی سماجی مقاصد سرفہرت تھے۔

**سیاسی اهداف**: حضور کی شادیوں کے متعدد مقاصد میں سے ایک مقصد دشمنوں کے دل جیتنا، اسلام کے ساتھ ان کی مخالفت کو کم کرنا، قبائل کو اس رشتہ کے ذریعہ اپنے قریب تر کرنا اور اس طرح نور حق کو پھیلانے کے لیے راستہ ہموار کرنا بھی تھا۔ ہم یہاں چند مثالیں سپرد قرطاس کرتے ہیں جن سے پتہ چلے گا کہ حضور کی شادیوں کے ذریعہ کتنے سیاسی فوائد حاصل ہوئے۔

☆ بنومصطلق کا قبیلہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔ اس قبیلے کا سردار حارث اسلام کا جانی دشمن تھا۔ غزوۂ بنی مصطلق میں اس قبیلے کو شکست ہوئی، اور اس قبیلے کے متعدد لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔ ان قیدیوں میں بنی مصطلق قبیلہ کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ بنت حارث بھی تھیں۔ انہوں نے اپنے اسیر کنندہ سے مکاتبت کا معاہدہ کیا اور زر مکاتبت ادا کرنے کی خاطر حضور سے مدد کی درخواست کی۔ حضور کو جب یہ پتہ چلا کہ یہ سردار قبیلہ کی بیٹی ہیں تو آپ نے ان کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر انہیں منظور ہو تو آپ ان کا زرفدیہ ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کرلیں۔ حضرت جویریہ نے حضور کی اس پیش کش کو قبول کرلیا۔ حضور نے ان کا زر مکاتبت ادا کرکے ان کے ساتھ نکاح کرلیا۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ حضور نے حضرت جویریہ سے نکاح کرلیا ہے تو انہوں نے بنومصطلق قبیلے کے تمام اسیروں کو یہ کہہ کر رہا کردیا کہ یہ لوگ حضور کے سسرالی رشتہ دار ہیں ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ان کو اپنی قید میں رکھیں۔ اس طرح آزاد ہونے والے کوئی ایک دو آدمی نہ تھے بلکہ حضرت جویریہ کی برکت سے آزادی کی نعمت تقریباً سو گھرانوں کو حاصل ہوئی۔ بنومصطلق نے جب حضور کی اس عالی ظرفی اور مسلمانوں کے دلوں میں موجزن حب رسول کے جذبے کا مشاہدہ کیا تو وہ سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

یہ بات معمولی نہیں کہ ایک شادی کی برکت سے اسلام کے ایک کٹر دشمن قبیلے نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی دشمنی چھوڑ کر حضور کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فمار أینا امراۃ کانت اعظم برکۃ علی قومھا منھا۔

ہم نے کسی عورت کو نہیں دیکھا جو اپنی قوم کے لیے اس سے زیادہ برکت کا باعث بنی ہو جتنی برکت کا باعث جویریہ اپنی قوم کے لیے بنیں۔

☆ حی بن اخطب بھی بنومصطلق کے سردار حارث کی طرح اسلام کا زبردست دشمن تھا۔ اس کی بیٹی صفیہ بنت اخطب غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئیں، حضور نے انہیں پاس بلایا اور ان کے سامنے دو صورتیں رکھیں: پہلی صورت یہ تھی کہ وہ اسلام قبول کریں اور آپ انہیں آزاد کرکے اپنی زوجیت کا شرف بخشیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اگر وہ یہودیت پر قائم رہنا چاہیں تو آپ انہیں آزاد کردیں اور وہ اپنی قوم کے پاس واپس چلی جائیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرکے حضور کی زوجیت میں آنا پسند کیا۔ حضرت صفیہ سے حضور کا نکاح اس لحاظ سے انتہائی مفید تھا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے حضور کے نکاح سے قبل یہودی مسلمانوں کے خلاف ہر جنگ میں کسی نہ کسی شکل میں شریک نظر آتے تھے لیکن اس نکاح کے بعد اسلام کی ابتدائی تاریخ میں یہودی کسی جنگ میں مسلمانوں کے مدمقابل نظر نہیں آتے۔

☆ ابوسفیان کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں۔ قریش کا نشان جنگ ابوسفیان کے گھر میں رہتا تھا۔ جب یہ نشان باہر کھڑا کیا جاتا تو قوم کے ہر فرد پر آبائی ہدایات اور قومی روایات کے اتباع میں لازم ہو جاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو جائیں۔ اسلام کے خلاف اکثر جنگوں میں ابوسفیان ہی نے لشکر قریش کی قیادت کی۔ حضور نے اسلام کے اس کٹر دشمن کی لخت جگر ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس رشتہ کا اثر یہ ہوا کہ ابوسفیان کی اسلام دشمنی کا زور ٹوٹ گیا اور بہت جلد وہ اسلام کے جھنڈے تلے اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے تیار کھڑے نظر آئے۔ کیا وہ نکاح حضور کی ایک انتہائی کامیاب سیاسی تدبیر نہ تھی؟ جس نے اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو اسلام کی صفوں میں لا کھڑا کیا تھا؟ حضور کی تمام شادیوں کے پس منظر میں اسی قسم کے عظیم مقاصد کارفرما تھے۔

اسلام کے نزدیک کسی عام مسلمان کی شادی کا مقصد بھی جنسی خواہشات کی تسکین تک محدود نہیں ہوتا بلکہ ہر شادی کے متعدد مقاصد ہوتے ہیں جن میں سے جنسی خواہش کی جائز اور منظم تسکین بھی ایک





مقصد ہے لیکن مسلمان صرف اس ایک مقصد کے لیے شادی نہیں کرتا۔ حضور بھی بہ حیثیت افضل البشر ہونے کے، انسانی فطرت کے اس تقاضے سے مستثنیٰ نہ تھے لیکن اس مقصد کے لیے آپ کو ایک سے زیادہ بیویوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اسی لیے پچاس بلکہ پچپن سال کی عمر تک، جو اس قسم کی خواہشات کے عروج کا زمانہ ہوتا ہے، آپ نے صرف ایک زوجہ پر اکتفا کیا۔ اس کے بعد آپ نے جو شادیاں کیں ان کے پیچھے تعلیمی، سماجی، تشریعی اور سیاسی مقاصد کارفرما تھے۔ ہم یہاں ذیل میں تمام ازواج مطہرات کے متعلق فرداً فرداً کچھ حقائق تحریر کرتے ہیں جن کے مطالعے کے بعد انسان کو ذرہ برابر شک نہیں رہتا کہ ان شادیوں کے مقاصد انتہائی اعلیٰ تھے اور ان شادیوں کی وجہ سے مستشرقین نے حضور پر جو الزامات لگائے ہیں وہ بدنیتی اور علمی خیانت پر مبنی ہیں۔

**حضرت خدیجه الکبری رضی الله عنها** : حضرت خدیجہ الکبریٰ وہ خوش نصیب خاتون ہیں جن کے ساتھ حضور نے اپنا عالم شباب گزارا تھا اور ان کے انتقال تک آپ نے کسی دوسری خاتون کو شرف زوجیت بخشنے کے بارے میں کبھی سوچا تک نہ تھا۔ جب حضور کے ساتھ ان کی شادی ہوئی، اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ وہ اس سے پہلے دو بار بیوہ ہو چکی تھیں اور صاحب اولاد تھیں۔ شادی کے وقت حضور کی عمر پچیس سال تھی لیکن عمر اور ازدواجی حالت کا یہ فرق اس مقدس جوڑے کے باہمی جذبات خلوص و محبت میں حائل نہ ہو سکا۔ بعثت کے بعد حضور کی پیغمبرانہ جدوجہد کے ایک ایک مرحلے پر اس شادی کی برکتیں پوری آب و تاب کے ساتھ عیاں نظر آئیں۔ حضور پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تھی اور ثقل وحی سے مضطرب ہو کر حضور نے گھر پہنچنے پر اپنے اہل خانہ سے فرمایا تھا: زملونی زملونی یعنی مجھے کمل اوڑھا دو؟ تو آپ کی اس محرم راز رفیقۂ حیات نے آپ کی کتاب حیات پر ایک نظر ڈال کر یہ نتیجہ فوراً نکال لیا تھا: ابشر کلا واللہ مایخزیك اللہ ابدا انك لتصل الرحم وتصدق الحدیث وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوایب الحق۔ آپ کو مبارک ہو! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو بے آبرو نہیں کرے گا۔ آپ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ حق گوئی سے کام لیتے ہیں۔ کمزوروں اور ناتواں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ مفلس اور نادار کو اپنی نیک کمائی سے حصہ دیتے ہیں۔ مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو آپ اس کی دست گیری فرماتے ہیں،،۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی ذکاوت و فطانت اور خلوص و جاں نثاری کے سبب حضور کے دل میں وہ مقام حاصل کیا تھا جو اور کسی کو حاصل نہ ہوا۔ جس خاتون کی شان یہ ہو کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی قوم اسے عفیفہ و طاہرہ کہہ کر بلاتی ہو۔ جس سے خدا بھی راضی ہو اور حبیب خدا بھی راضی ہو، اس خاتون سے شادی کا مقصد محض جنسی خواہش کی تسکین تک محدود قرار دینا پرلے درجے کی بے ذوقی اور انسانی اقدار سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

**حضرت سوده بنت زمعه**: حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق قریش کے قبیلہ بنوعبدشمس سے تھا، جن کی اسلام دشمنی کو مستشرقین خوب جانتے ہیں اور تسلیم بھی کرتے ہیں۔ یہ خاتون سکران بن عمرو بن عبدود کے عقد میں تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر ان کی ترغیب پر ان کے شوہر نے بھی اسلام کا طوق اپنے گلے کی زینت بنالیا۔ دین کی جو دولت انہیں نصیب ہوئی تھی اس کی حفاظت کے لیے دونوں نے دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت سکران بن عمرو کا انتقال ہو گیا تو حضرت سودہ بے یار و مددگار ہوگئیں۔ ان حالات میں اگر وہ اپنے قبیلے میں واپس جاتیں تو اہل قبیلہ ان کے لیے زندگی کو اجیرن بنادیتے اور دولت دین کی حفاظت ان کے لیے انتہائی مشکل ہو جاتی۔ اس وقت ان کی عمر پچپن سال کے قریب تھی۔ یہ عمر وہ تھی جس میں اس بات کا امکان بہت کم تھا کہ کوئی شخص ان کے ساتھ نکاح کرکے ان کو پناہ گاہ فراہم کرتا۔ حضور نے دین کی اس مجاہدہ کے حالات کا جائزہ لیا۔ ان کے ایثار، استقلال اور ثابت قدمی کو دیکھا اور خدا کی اس نیک بندی کو دنیا اور دین کے فتنوں سے بچانے کے لیے، اسے اپنی زوجیت میں لینے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت خدیجہ الکبریٰ انتقال فرما چکی تھیں اور حضور نے ابھی کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی تھی۔ اس طرح حضور نے ان کے ساتھ نکاح کرکے ان کو پناہ گاہ مہیا فرمائی، ان کی قربانیوں اور ثبات و استقلال پر ان کو خراج تحسین پیش کیا، دشمنان دین سے ان کی جان کی بھی حفاظت فرمائی اور ان کے دین کی بھی، اور اپنے اس عمل کے ذریعہ انسانیت کی ایک ایسی عظیم الشان مثال قائم کی جس کی تاثیر سے کئی لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔

...................(جاری)

آئینۂ عالم

# عالمی امن کے لیے سب سے بڑا خطرہ

# امریکی استعماریت

محمد محب الحق

معروف نقاد اور ماہر لسانیات نوم چامسکی نے اپنی کتاب (Pirates and emperors, Old and New) میں امریکہ کا تعارف سکندر اعظم اور بحری قزاق کے واقعے کی روشنی میں کرایا ہے۔ چامسکی کہتا ہے سکندر اعظم نے بحری قذاقوں کے گروہ کو پکڑا اور سردار سے پوچھا کہ تیری ہمت کیسے ہوئی ایسے غیر انسانی اور غیر اخلاقی کام کرنے کی۔ قزاقوں کے سردار نے جواب دیا کہ تم میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے تم بڑے بڑے بحری بیڑے کی مدد سے دوسروں کے علاقوں کو لوٹتے ہو میں یہی کام چھوٹی کشتیوں کی مدد سے کرتا ہوں۔ اس واقعے کی روشنی میں چامسکی امریکہ کو متعارف کراتے ہوئے کہتا ہے کہ دنیا میں امریکی استعماریت کے نتیجے میں جس قدر انسانی جانوں کا زیاں ہوتا ہے، جتنی تباہی اور بربادی ہوتی ہے اس کا مقابلہ دہشت گردانہ سرگرمیوں سے نہیں کیا جاسکتا۔ چامسکی نے تو بہ بانگ دہل امریکہ کو دہشت گرد ملک قرار دیا ہے۔

اگر ہم صرف 1990ء کے بعد سے آج تک عالمی حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں چامسکی کی باتوں میں کافی حد تک صداقت نظر آتی ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں جس طرح امریکہ نے بے جا مداخلت کی ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امریکہ استعماریت کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

مشرق وسطیٰ میں اگر آج تک امن قائم نہیں ہوسکا تو اس کی سب سے بڑی ذمہ داری امریکہ پر ہے۔ جس طرح امریکہ نے صیہونی اسرائیل کی کھلی حمایت کی ہے۔ نہ ہے فلسطینیوں پر ہونے والے ہر ظلم کے پس پشت امریکہ کی حمایت شامل ہوتی ہے۔ اگر اسرائیل اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے فلسطینیوں پر عرصۂ حیات تنگ کرتا ہے تو امریکہ سلامتی کونسل میں اس حمایت میں ویٹو کا بے جا استعمال کرتا ہے۔ 1948ء سے آج تک لاکھوں فلسطینی غیر انسانی ماحول میں رفیوجی کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ رفیوجی کیمپوں میں بھی اسرائیل جب چاہتا ہے بے گناہ فلسطینیوں کا قتل عام کرتا ہے۔ صابرا اور سہتلا رفیوجی کیمپ میں ہونے والا قتل عام اس کی مثال ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قیام اسرائیل سے لے کر آج تک امریکہ نے اسرائیل کا استعمال مشرق وسطیٰ میں پولیس مین کی طرح کیا ہے اور اپنے قومی مفاد خصوصاً تیل کی سپلائی پر مکمل کنٹرول کے ایجنڈے کے حصول کے لیے کیا ہے یہاں تک کہ حالیہ اسرائیلی زیادتی جو اس نے لبنان پر حملے کے دوران کی اسے بھی امریکہ نے صحیح ٹھہرایا۔ سیکڑوں لبنانی شہریوں کی ہلاکت کی امریکہ نے مذمت تک نہ کی اور سلامتی کونسل میں اپنے بے جا حق کا استعمال صیہونی اسرائیل کی حمایت کے لیے کرتا رہا۔ نتیجے کے طور پر جنگ تقریباً چالیس دنوں تک جاری رہی اور انسانی جانوں کا زیاں ہوتا رہا۔

1991ء میں امریکہ نے اپنے حلیف ممالک کے ساتھ مل کر عراق پر حملہ کیا۔ حملہ تو دراصل کویت کو عراقی قبضے سے آزاد کرانے کے لیے تھا لیکن کویت کی آزادی کے بعد ظلم و زیادتی پر مبنی جو پالیسی عراقی عوام کے خلاف اپنائی گئی وہ انسانیت کو مجروح کرنے کے برابر ہے۔ حملے کے ساتھ ہی ۱۷/جنوری سے 28/فروری کے درمیان امریکی طیاروں نے 110000. sorties کی اڑان بھری یعنی ایک سیریل حملہ ہر 30/سیکنڈ پر۔ اس دوران 88500ٹن خطرناک دھماکہ خیز مادے گرائے گئے جو تقریباً آٹھ ہیروشیما کے TNT کے برابر ہے۔ جہاں تک انسانی جانوں کے زیاں کا تعلق ہے تو کوئی حتمی اعداد و شمار موجود نہیں ہیں لیکن UNICEF کے اندازے کے مطابق 1990ء سے 1997ء کے درمیان تقریباً چھ سالوں میں 20/لاکھ سے زائد عراقی مارے گئے جس میں تقریباً پانچ لاکھ بچے تھے۔ برطانوی سائنسی میگزین The Lancet نے موجودہ امریکی قبضے کا جائزہ لیتے ہوئے انکشاف کیا کہ 2003ء سے 2007ء یعنی چار سالوں میں عراق پر امریکی قبضے کے دوران 650000/عراقی جاں بحق ہوچکے





ہیں۔ 20/لاکھ سے زائد عراقی ملک چھوڑ کر مہاجرین کی طرح دوسرے ممالک میں رہ گئے ہیں اور تقریباً 20/لاکھ عراقی ملک کے اندر ہی رفیوجی کیمپ میں رہ رہے ہیں۔ تقریباً 45/لاکھ بچے غذا کی کمی جھیل رہے ہیں۔ اور بے روزگاری 70/فیصد سے زیادہ ہے۔ ان اعداد و شمار کو اگر عراق کی ڈھائی کروڑ کی آبادی کی روشنی میں دیکھا جائے تو امریکی قبضے کی ہولناکی اور سفاکی ظاہر ہوجائے گی۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ امریکی کانگریس عراقیوں کی اس تباہی سے زیادہ پریشان نہیں ہے بلکہ اسے تقریباً ساڑھے تین ہزار امریکی فوجیوں کے مرنے کا افسوس ہے لہٰذا وہ جلد از جلد عراق سے امریکی فوجیوں کی واپسی چاہتی ہے۔

عراق پر امریکی حملے کے اثرات دیرپا ہوں گے۔ جس طرح امریکہ نے استعماریت کی پالیسی (Divide and rule) کا استعمال عراق میں کیا ہے اور مسلکی اور نسلی بنیاد پر عراقیوں کو تقسیم کردیا ہے اور اس کے نتیجے میں جو تباہی آئی ہے وہ آئندہ کئی برسوں تک تمام فرقوں اور گروہوں کو آپسی جھگڑے اور خون خرابے میں ملوث رکھے گی۔ اس کے اثرات صرف عراق پر ہی نہیں بلکہ پورے مشرق وسطیٰ پر پڑیں گے اور ساتھ ہی ساتھ ایران اور عربوں کے تعلقات بھی کشیدہ ہوسکتے ہیں لیکن اس کا فائدہ استعماری امریکہ اور صیہونی اسرائیل کو ہوگا۔ امریکہ نے عراق میں ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کردی ہے۔ جس کی مدد سے عراق کے تیل کے ذخائر پر اس کا مکمل کنٹرول ہوگیا ہے۔ عراق کو تباہ کرنے کے بعد اس کے Reconstruction کے تمام ٹھیکے اب امریکہ اور اس کے حلیفوں کے پاس ہیں۔ دوسری جانب صیہونی اسرائیل کو ایک طاقتور مسلم ملک سے جو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا وہ اب بہت برسوں کے لیے ختم ہوچکا ہے۔

عراق پر شکنجہ کسنے کے بعد امریکہ اپنی توجہ پوری طرح نیوکلیائی طاقت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ایران پر رکھنا چاہتا ہے۔ ظاہری بات ہے عراق میں جس طرح ایران کے خلاف امریکہ کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس سے یہ بات تو عیاں ہے کہ ایران پر امریکہ کوئی اس طرح کا حملہ نہیں کرے گا لیکن جس طرح ایران کے خلاف امریکہ دھمکی آمیز لہجہ اختیار کر رہا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پاکستان کے بعد وہ کسی بھی مسلم ملک کو جوہری طاقت نہیں بننے دینا چاہتا۔ یہاں قابل ذکر ہے کہ امریکہ اس سے قبل تقریباً ایک دہائی تک عراق اور ایران کو آپس میں لڑا کر لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا چکا ہے لیکن اسرائیلی استعماریت کے لیے یہ کافی نہیں ہے۔

افغانستان میں امریکی مداخلت تقریباً پچیس سال پرانی ہے اور اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اپنی تمام خرابیوں کے باوجود طالبان، افغانستان میں ایک مستحکم حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن امریکہ نے تاریخ عالم کی بھیانک بم باری کرتے ہوئے افغانستان کو پتھر کے دور میں پہنچا دیا اور وہاں بھی اپنی کٹھ پتلی حکومت قائم کردی۔ آج افغانستان کے جو حالات ہیں جس طرح NATO کے فوجی سیکڑوں بے گناہ افغانی عوام کو شک کی بنیاد پر بم باری کا نشانہ بنا رہے ہیں، آئے دن بے گناہ لوگ مارے جارہے ہیں وہ امریکہ کی زیادتی کی تمام حدیں کو توڑ چکے ہیں۔

گزشتہ بارہ سالوں سے خانہ جنگی کی شکار صومالیہ میں جب اسلام پسندوں نے ایک مستحکم حکومت قائم کی اور صومالیہ میں امن و امان کی صورت پیدا ہونے لگی تو امریکہ نے عیسائی ایتھوپیا کی مدد سے صومالیہ پر حملہ کیا، پہلے حملے میں ہی امریکہ نے تقریباً چار صومالی گاؤں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اس کے بعد سے آج تک خانہ جنگی کا سلسلہ جاری ہے۔ موگادیشو میں امریکہ نے اپنی ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کرکے صومالیہ کے تقریباً 3300 کلومیٹر Line Coastal پر قبضہ کرلیا ہے اور اس طرح صومالیہ کی Geo-political location کا فائدہ امریکہ کو براہ راست پہنچے گا۔ پورے افریقہ کے تیل کے ذخائر اور تجارت پر امریکہ اب قابض ہوسکتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں جانوں کی بربادی امریکہ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی اگر اس کے ذریعہ امریکہ کے استعماری اور تجارتی فائدے کو تقویت ملتی ہے۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں نوم چامسکی کی بات امریکہ کے متعلق بجا نظر آتی ہے۔ چامسکی غالباً صحیح کہتا ہے کہ دنیا میں تمام برائیوں اور زیادتیوں، ناانصافیوں کی جڑ امریکہ اور اس کی استعماری پالیسی ہے۔ امریکی استعماریت کے نتیجے میں ہونے والے جانی نقصان کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دہشت گردانہ سرگرمیوں میں مارے جانے والے لوگوں کی تعداد امریکی استعماریت کے شکار لوگوں سے بہت کم ہے۔ لہٰذا چامسکی کا یہ کہنا ہے کہ امریکی استعماریت دنیا کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے اور ایک دہشت گرد ملک کی حیثیت حاصل کرتا جارہا ہے صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ○ ○

انوار حیات

# شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: حیات و خدمات

مولانا قاری شفیق اجمل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ولادت 4/شوال المکرم 1114ھ/ 21 فروری 1703ء کو یو پی میں ضلع مظفر نگر کے قصبہ ''پھلت'' میں (اپنے نانا کے یہاں) بہ وقت طلوع آفتاب ہوئی(1) آپ کا تاریخی نام عظیم الدین رکھا گیا، آپ جس خاندان میں پیدا ہوئے وہ علم و فضل کا گہوارہ تھا۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ شاہ عبدالرحیم اپنے وقت کے متبحر عالم، صوفیِ باصفا، قناعت پسند بزرگ، ظاہری و باطنی علوم کے حامل اور عقل و فراست میں یکتائے روزگار تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا سلسلۂ نسب، والد بزرگوار کی طرف سے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور والدہ محترمہ کی جانب سے امام موسیٰ کاظم سے جاملتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد شاہ عبدالرحیم کے پاس بڑی جاں سوزی اور شفقت سے انجام پائی۔ شاہ ولی اللہ عالمِ طفولیت ہی سے ذہین و فطین، قوی الحافظہ اور بزرگانہ شرافت کے حامل تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد فارسی اور عربی کتابیں پڑھنے کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی ارکان و فرائض بھی تدریجاً سیکھ لیے۔ دس سال کی عمر میں فوائد ضیائیہ (شرح ملا جامی) اور شرح الکافیہ پڑھ لی۔ اپنی ذہانت و ذکاوتِ طبع کے باعث صرف و نحو پر عبور حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پندرہ سال کی عمر میں تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام اور منطق وغیرہ علوم کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی۔ مروجہ درسیات کے علاوہ متعدد کتب و رسائل کا بھی مطالعہ کیا۔ جب آپ نے سندِ فراغت حاصل کی تو والد ماجد نے ایک عظیم جشن منایا، جس میں ہر خاص و عام کو دعوت دی گئی۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد جشن تھا۔

پندرہ برس کی عمر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی سے بیعت و خلافت حاصل کی اور اشغال صوفیہ خصوصاً نقش بندیہ میں مشغول ہوئے اور علومِ اسلامیہ پر عبور حاصل کیا۔ علومِ اسلامیہ سے فراغت کے بعد والد ماجد نے آپ کو درس و تدریس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد آپ بارہ سال تک کتب دینیہ اور معقولات کا درس دیتے رہے، جیسا کہ آپ نے خود تحریر فرمایا:

''بعد از وفات حضرت ایشاں دوازدہ سال کما بیشی بدرس کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود و در ہر علمی خوض واقع شد۔''(2)

یعنی ان کی وفات کے بارہ سال تک باقاعدگی سے منقولات و معقولات کی کتابیں پڑھائیں اور ہر شعبہ میں غور و خوض کیا۔ آپ نے والد ماجد کے درس و تدریس کے سلسلے کو آگے بڑھایا اور لوگوں کو فیض پہنچایا۔ ہندستان کے عوام و خواص اور اس عہد کے بڑے بڑے اساتذہ اور ماہرین فن آپ سے مستفید ہوتے رہے۔ مدرسہ رحیمیہ میں بارہ سال تک درس و تدریس میں مشغول رہنے کے بعد 1143ھ/ 1731ء میں زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی۔

چودہ مہینے حجازِ مقدس میں رہنے کے بعد واپس آکر شاہ صاحب نے درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ طالب علموں کی کثیر تعداد کے باعث مدرسہ رحیمیہ کی عمارت اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگی۔ تشنگانِ علومِ نبوی دور دراز سے جوق در جوق اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے آتے رہے اور شاہ صاحب کے درس حدیث سے استفادہ کرتے رہے۔

شاہ صاحب نے اپنے قیامِ حرمین شریفین میں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے نامور شیوخ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ شیخ ابراہیم بن الحسن المدنی سے حدیث مسلسل کی سند و اجازت حاصل کی۔ شیخ ابو طاہر نے شاہ صاحب کو خرقہ جامعہ عنایت فرمایا، جس کو تمام صوفیوں کے خرقوں کا جامع کہا جاتا ہے۔ اس اثنا میں روضۂ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ پر فیوض و برکات کی خوب خوب بارش ہوئی۔ 1144ھ/ 1732ء میں فریضۂ حج سے مشرف ہو کر 1145ھ/ 1733ء میں بخیریت وطن واپس تشریف لائے۔

درس و تدریس کے ساتھ شاہ صاحب نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ تجدید و احیائے دین کا کام کیا۔ وہ عارف کامل، علومِ شرعیہ کے محقق امام اور میدانِ حکمت و عمل کے شہ سوار تھے۔ شاہ صاحب نے محسوس کیا کہ لوگ قرآن کریم کا احترام تو کرتے ہیں اور خیر و برکت کے لیے اس کی تلاوت بھی کی جاتی ہے لیکن معنی کی طرف توجہ نہ ہونے کے

ریسرچ اسکالر، بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس





باعث اس کا حقیقی مقصد فوت ہوتا جا رہا ہے۔ چناں چہ آپ نے قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کی مختصر تفسیر بھی کی۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی دینی اور اصلاحی جد و جہد کے لیے قرآن کریم کو مشعلِ راہ بنایا۔ آپ نے علمِ تفسیر پر بھی کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بہت عمدہ اور مشہور کتاب ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م 1642ء) کے بعد ہندستان میں علمِ حدیث کا ذوق و شوق بھی کم ہوتا رہا۔ شاہ ولی اللہ نے اس کو مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی اصلاح کے لیے از سرِ نو زندہ کیا۔ شاہ صاحب نے قیامِ حجاز کے دوران وہاں کے جلیل القدر اساتذہ سے علومِ حدیث کی سندیں حاصل کیں۔ وطن واپس آنے کے بعد آپ نے خود کو خدمتِ حدیث کے لیے وقف کر دیا۔ تشنگانِ علمِ حدیث دور دراز سے بڑی تعداد میں آتے اور آپ کی خدمت میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ شاہ صاحب کے درسِ حدیث اور ان کی کتابوں سے ہندستان میں تجدید و احیائے اسلام کی تکمیل ہوئی۔

قرآن و حدیث کے بعد فقہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ علمِ فقہ میں شاہ صاحب نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں۔ انھوں نے چاروں مذاہبِ فقہ کے اختلافات کی بنیاد کو واضح کرنے کے لیے ایک کتاب "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" لکھی۔ اس کے علاوہ آپ نے علمِ فقہ پر متعدد کتابیں تحریر فرمائیں۔

شاہ ولی اللہ کا خاندان علمِ تصوف کا گہوارہ تھا۔ آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم اپنے دور کے مانے ہوئے صوفی تھے۔ شاہ صاحب نے انھیں کی صحبت میں تصوف کے منازل طے کیے اور انھیں سے اشغال سیکھے۔ تصوف کے موضوع پر شاہ صاحب نے درجنوں کتابیں تحریر فرما کر تصوف کی عظیم ترین خدمت انجام دی۔

حضرت شاہ ولی اللہ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد، متکلم اور صوفی تھے۔ انھوں نے اصول و عقائد، علمِ منطق، علمِ معانی، علمِ ہندسہ و حساب اور علمِ ہیئت کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کیا تھا۔ درس و تدریس اور اپنی جلیل القدر تصانیف سے شاہ صاحب نے علوم و معارف کے دریا بہا دیے۔ ان کی علمی فیاضیوں اور عظمت و بزرگی کے باعث دور دور سے طالبانِ علوم و معارف ان کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر علمی برکتیں حاصل کرتے۔ برصغیر میں علومِ اسلامیہ کی تاریخ میں شاہ صاحب کو منفرد مقام حاصل ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ بہت ہی عظیم الشان اور جلیل القدر کتب کے مصنف ہیں، انھوں نے ایک سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں، جن میں متعدد کتابیں حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئیں، جو محفوظ رہ گئیں ان میں چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد پچاس سے کچھ زائد ہے۔ شاہ صاحب کی کچھ اہم تصنیفات یہ ہیں۔

**تفسیر**: (1) فتح الرحمن فی ترجمة القرآن (2) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (3) فتح الخبیر (4) المسوىٰ فی احادیث الموطا (5) المصفیٰ فی شرح الموطا (6) تراجم البخاری (7) اربعون حدیثا (8) الارشاد الی مهمات علم الاسناد (9) الانتباه فی سلاسل اولیاء الله (10) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین۔

**اسرار شریعت**: (11) حجة الله البالغه (12) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (13) عقد الجید فی احکام الاجتهاد و التقلید (14) المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة۔

**تصوف**: (15) فیوض الحرمین (16) القول الجمیل (17) الطاف القدس (18) الخیر الکثیر (19) کشف العین (20) هوامع شرح حزب البحر (21) زهراوین (22) تفهیمات الالهیة (23) شفاء القلوب (24) همعات (25) سطعات (26) لمعات (27) مکتوبات فارسی (مشموله کلمات طیبات) (28) مکتوبات عربی (مشموله حیات ولی) (29) مکتوبات المعارف مع مکتوب ثلاثه (30) مکتوبات شاه ولی الله (مرتبه خلیق احمد نظامی) (31) انفاس العارفین۔

**سیر و ادب**: (32) سرور المحزون فی سیر الامین المامون (33) اطیب الغنم فی مدح سید العرب و العجم (34) الجزء اللطیف فی ترجمة العبد الضعیف (35) شوارق المعرفة (36) بوارق الولایه (37) امداد فی مآثر الاجداد (38) النبذ الا بریزیه فی الطبقة العزیزیه (39) عطیة الصمدیه فی الانفاس المحمدیه (40) انسان العین فی مشائخ الحرمین۔

**مناظرہ**: (41) ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء (42) قرة العین فی تفضیل الشیخین (43) نظم صرف میر۔

**متفرق**: (44) رساله دانش مندی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی ہر تصنیف اس قدر محققانہ اور مجددانہ ہے کہ آبِ زر سے لکھنے پر بھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ظلم و تاریکی کے اس دور میں شاہ صاحب نے مختلف موضوعات پر یہ کتابیں لکھ کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

**شاہ صاحب کی طرف جعلی کتب کا انتساب**: بعض اربابِ تحقیق کے مطابق کچھ لوگوں نے ایک منظم سازش کے تحت

کتابیں لکھ کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان سے منسوب کر کے شائع کیں اور ان کی اصل کتابوں کی عبارتوں کو بھی بدل کر شائع کرایا۔ محققین نے بہت سی جعلی کتب کی نشان دہی کی ہے۔ مشہور محقق مولانا یٰسین اختر مصباحی اس تعلق سے یوں رقم طراز ہیں:

’’افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے افکار مسخ کرنے اور آپ کی شخصیت مجروح کرنے کے لیے علماے سوء نے آپ کی کتابوں میں تحریف والحاق کی مذموم حرکت کی ہے۔ بلکہ البلاغ المبین، تحفة الموحدین وغیرہ مستقل کتب و رسائل لکھ کر آپ کے نام سے شائع کرنے کا سنگین جرم روا رکھا ہے۔ اس لیے آپ کے صحیح نظریات و خیالات سے آگاہی کے لیے القول الجلی، انفاس العارفین، فیوض الحرمین، الدر الثمین، القول الجمیل، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ جیسی کتابوں کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جانا چاہیے۔‘‘(3)

محققین کے ذریعہ شاہ صاحب کے تعلق سے جن جعلی کتب کی نشان دہی کی گئی ہے، وہ یہ ہیں: (1) قرة العين فى ابطال شهادة الحسين (2) جنت العاليه فى مناقب المعاويه (3) بلاغ المبين (4) تحفة الموحدين (5) اشارة مستمره (6) قول سديد (7) رسالهٔ اوائل (8) فيما يجب حفظه للناظر (9) فيض عام۔

**شاہ ولی اللہ اور ان کا مسلک**: حضرت شاہ ولی اللہ مسلمانوں کے ایک عظیم رہبر و رہ نما اور اسلامی مفکر تھے۔ شاہ صاحب کا مسلک بالکل وہی تھا جو دورِ حاضر میں اہلِ سنت و جماعت کا ہے۔ آپ برصغیر کی ایسی واحد شخصیت ہیں جسے ہر مسلک والے اپنا قائد تسلیم کرتے ہیں مگر شاہ صاحب کی کتابوں سے جن عقائد و نظریات کا پتہ چلتا ہے وہ اہلِ سنت و جماعت سے ہم آہنگ اور وہابیہ کے خلاف ہیں۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، شاہ صاحب کے مسلک کے متعلق رقم طراز ہیں:

’’کتب تصوف کے مطالعہ سے حضرت شاہ صاحب کے جن عقائد و نظریات کا پتہ چلتا ہے، اس سے تو یہی ثابت ہو رہا ہے کہ شاہ صاحب اُسی مسلک کے حامی تھے جس کی ترجمانی اور نشر و اشاعت اس دور میں علماے اہل سنت و جماعت بہ الفاظ دیگر سنی بریلوی علما کر رہے ہیں۔‘‘(4)

حضرت شاہ صاحب کی متعدد تصانیف میں علم غیب، تصرف، استمداد، توسل، حاظر و ناظر، اعراس، میلاد و فاتحہ، نذر و نیاز، اطلاع خواطر، زیارت قبور، احیاے موتیٰ کے سلسلہ میں واضح موقف ملتا ہے اور انھیں مسائل پر ان کے آبا و اجداد کا عمل رہا ہے جنھیں شاہ صاحب نے نہ صرف اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے بلکہ ان ہی پر عمل پیرا بھی رہے۔

شاہ صاحب کے پانچ صاحب زادوں کے نام معلوم ہو پائے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے چار مشہور صاحب زادوں کے اسماے گرامی یہ ہیں:

1- شاہ عبدالعزیز (م 1239ھ/1822ء)
2- شاہ رفیع الدین (م 1233ھ/1817ء)
3- شاہ عبدالقادر (م 1230ھ/1814ء)
4- شاہ عبدالغنی (م 1227ھ/1812ء)

’’مولوی عبدالحی نے نزهة الخواطر میں شاہ صاحب کے ایک صاحب زادے کا نام محمد شاہ دہلوی بھی تحریر کیا۔‘‘(5)

ڈاکٹر ثریا ڈار رقم طراز ہیں:

’’لیکن تحقیق کرنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شاہ ولی اللہ کے ایک بیٹے محمد شاہ دہلوی بھی تھے۔‘‘(6)

اس طرح شاہ صاحب کے پانچ صاحب زادوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا انتقال 29 محرم الحرام 1176ھ/20 اگست 1762ء بہ وقت ظہر اکسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ پرانی دہلی میں ترکمان گیٹ کے قریب مہندیوں کے اندر اپنے والد شیخ عبدالرحیم کے پہلو میں راحت فرما ہوئے۔ اس خاندان کے ہر فرد کے آفتابِ علم حدیث ہونے کے باعث یہ قبرستان ’’محدثین کے قبرستان‘‘ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی تاریخِ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے:

او بود امام اعظم دیں
1176ھ

## ماٰخذ و مراجع


(1) رود کوثر، شیخ محمد اکرام، ادبی دنیا، دہلی، ص:534
(2) الجزء اللطیف، شاہ ولی اللہ، ص:5
(3) تعارف اہل سنت، یٰسین اختر مصباحی، دار القلم دہلی، 2000، ص:37
(4) سہ ماہی افکار رضا، ممبئی، جولائی تا ستمبر 2002، ص:35
(5) مقدمہ در ثمین، فیصل آباد، ص:5
(6) شاہ عبدالعزیز اور ان کی علمی خدمات، ڈاکٹر ثریا ڈار، ادب پبلی کیشنز، دہلی 2005، ص:96




سیرت و سوانح

# ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مولانا ممتاز عالم مصباحی

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ ہند بن عوف بن زہیر بن حارث حماطہ بن جرش قبیلۂ حمیر سے تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ قبیلۂ کنانہ سے تھیں۔ ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح ان کا نام بھی ’’برہ‘‘ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل کس کے نکاح میں تھیں اس سلسلے میں کئی اقوال ملتے ہیں۔ حضرت زہری بن اسحاق اور حضرت ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ رضی اللہ عنہم کے قول کے مطابق وہ پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ بن عبدود بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی عامری کی زوجیت میں تھیں۔ جب کہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ پہلے فروہ بن عبدالعزیٰ بن اسد بن غنم بن دودان کے نکاح میں تھیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ سنجرہ بن ابورہم کے یہاں تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حویطت بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج:11، ص:207)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم 7ھ میں غزوۂ خیبر سے فارغ ہونے کے بعد ماہ ذی قعدہ میں عمرۂ قضا کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اسی موقع پر حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مقام سرف میں جو کہ مکہ معظمہ سے محض دو میل کے فاصلے پر ہے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح کس طرح عمل میں آیا اس سلسلے میں دو طرح کے اقوال ملتے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابوطالب کے ذریعہ جن کے نکاح میں حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن اسما بنت عمیس تھیں ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ معاملہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کرا دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کا پیام نہیں بھیجا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا:

إن ميمونة بنت الحارث قدتأيمت من أبى رُهم بن عبد العزى هل لك أن تزوجها؟ فتزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم

(اسد الغابہ ج:7، ص:263)

میمونہ بنت حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ابورہم بن عبدالعزیٰ سے بیوہ ہو چکی ہیں، کیا آپ ان سے شادی کر سکتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی زوجہ مطہرہ ہیں۔ جنھوں نے اپنے آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بخش دیا تھا جب کہ ان کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچا تھا۔ منقول ہے کہ وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ انھوں نے کہا:

’’البعير وما عليه لله ولرسوله.‘‘

اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

’’وامرأة مومنة إن وهبت نفسها للنبى‘‘

اور یہ بات رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ آخر آیت کریمہ میں فرمایا:

’’خالصة لك من دون المؤمنين‘‘۔

ایک قول کے مطابق وہ زوجۂ مطہرہ جس نے اپنے آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہبہ کیا۔ وہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح کو آسمان پر اللہ تعالیٰ کا منعقد فرمانا اپنے آپ کو ہبہ کرنے کے علاوہ اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کیوں کہ ہبہ سے مراد مہر کا لازم نہ ہونا ہے۔ یہ بات اس قول میں ہے جو حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہے اور

سابق استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی عامر کی ایک عورت تھی جو ام شریک قریشیہ عامریہ تھی۔ اس کا نام غزیہ بنت جابر بن عوف بن عامر بن لوی تھا اور بعض دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ بنت داؤد بن عوف تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے سوا کئی عورتیں ہیں جنھوں نے خود کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہبہ کیا مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو قبول نہ فرمایا اور نہ نکاح میں لائے۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب (مدارج النبوۃ ج:2،ص:833)

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکاح کے وقت حالت احرام میں تھے یا بغیر احرام کے تھے اس باب میں تین طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا۔ جب کہ حضرت یزید بن اَصم اور حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق یہ نکاح حالت حلال میں ہوا۔ خود ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: "تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحن حلالان بسرف" مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شادی فرمائی اور ہم دونوں مقام "سرف" میں بحالت حلال تھے۔ حضرت ام المومنین سے اس قول کی روایت حضرت ابن خیثمہ اور حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نکاح بحالت حلال کیا اور اس کی شہرت حالت احرام میں ہوئی۔ اس وجہ سے یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد ج:11،ص:209۔ اسد الغابہ ج:7،ص:263)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس شادی نے اسلام کی نشر واشاعت میں بہت اہم رول ادا کیا کیوں کہ اس شادی کے ذریعہ کئی لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتۂ مصاہرت میں آگئے تھے اور عربوں کے ہاں ایسے تعلقات بڑی اہمیت کے حامل ہوا کرتے تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آٹھ بہنیں تھیں جو عرب کے بہت ہی اہم لوگوں کے نکاح میں تھیں، اس طرح اس نکاح کے ذریعہ ان تمام لوگوں کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلقات قائم ہو گئے جن کے آپ کی تبلیغی ودعوتی سرگرمیوں میں بڑے مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ دو جملوں میں اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس شادی کا مقصد بیوگی کی زندگی بسر کر رہی ایک معمر خاتون کے لیے سہارا بننا اور اس کے رشتہ داروں کو اسلام کی طرف مائل کرنا اور ان سے دعوت وتبلیغ کی گراں مایہ خدمات لینا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر کے جس حصے میں یہ نکاح کیا۔ اس عمر میں شادی کے وہ مقاصد نہیں ہوا کرتے جو دریدہ دہن مستشرقین کو نظر آتے ہیں۔ حضرت ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری زوجہ تھیں۔ یعنی وہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دخول فرمایا ان میں آخری زوجہ تھیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج:11،ص:209)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "مشہور یہ ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آخری زوجہ ہیں"۔

(مدارج النبوۃ ج:2،ص:832)

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میری باری کی ایک رات تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس سے باہر تشریف لے گئے میں نے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ تھوڑی دیر میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا لیکن میں نے نہیں کھولا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قسم دے کر فرمایا کہ دروازہ کھولو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری باری کی رات میں دوسری ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ میں قضائے حاجت کے لیے گیا تھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "مدارج النبوۃ" ج:2، میں فرماتے ہیں کہ:

"اس حدیث پاک سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قسم اور اس کی رعایت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب تھی کیوں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے طلب کیا تھا اور وہ رنجیدہ تھیں اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عذر خواہی فرمائی جیسا کہ مذہب شافعی میں مشہور ہے اور مذہب حنفیہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم کی رعایت فرمانا بطور کرم وتفضل تھا اور اس میں اتنی رعایت اور کرم فرماتے کہ گویا واجب ہے"۔ (مدارج النبوۃ ج:2،ص:832)



## حضرت ام المومنین اور میدان جنگ:-

سیرت نبوی کی مشہور ومعروف کتاب ضیاء النبی ج: ہفتم ص:517، پر زوجات النبی الطاہرات کے حوالہ سے ہے کہ:

"حضرت شیخ محمد محمود صواف لکھتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوۂ تبوک میں شریک ہوئی تھیں اور وہاں زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کو پانی پلانے کی خدمات انجام دیتی رہی تھیں۔ علامہ موصوف آگے لکھتے ہیں کہ "حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے میدان جنگ میں زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے لیے خواتین کی ایک جماعت تیار کی تھی۔ دوران جہاد ان کو تیر لگا تھا جس سے وہ شدید طور پر زخمی ہو گئی تھیں"۔

(زوجات النبی الطاہرات ص:82)

## اقارب:-

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کل آٹھ بہنیں ہیں، ان میں چار حقیقی ہیں اور چار ماں کی طرف سے ہیں۔

## حقیقی بہنیں:-

(1) ام الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔

(2) لبابۃ الصغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔

(۳) عصما یہ حضرت ابی ابن خلف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زوجیت میں تھیں۔

(۴) عزہ زیاد بن عبداللہ بن مالک الہلالی کے گھر میں تھیں۔

## ماں شریک بہنیں:-

(۱) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ پہلے حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں۔ ان سے عبداللہ، محمد اور عوف رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے (رضی اللہ عنہما) ان کے وصال فرمانے کے بعد ان کی شادی خلیفۂ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرم اللہ وجہہ سے ہوئی۔ ان سے حضرت یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

(۲) حضرت سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یہ پہلے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زوجیت میں تھیں۔ ان سے حضرت امۃ اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ پھر حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح شداد اسامہ الہاد لیثی سے ہوا۔ ان سے حضرت عبداللہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

(۳) سلافہ بنت عمیس یہ عبداللہ بن کعب بن منبہ الخشعمی کی زوجہ ہیں۔

(۴) حضرت زینب بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی زوجیت میں تھیں۔ ان سے عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ جن کی پرورش کا حق حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد کیا گیا تھا کیوں کہ ان کی خالہ حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں کی زوجیت میں تھیں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد ج:11،ص:207، مدارج النبوۃ ج:2،ص:831)

## مرویات:-

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کل چھہتر حدیثیں مروی ہیں۔

## وفات:-

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سن وفات کے سلسلے میں کئی اقوال ملتے ہیں۔ ان میں سے مشہور تر قول کے مطابق آپ کی وفات 51ھ میں ہوئی اور باقوال مختلف 61ھ یا 62ھ بھی بتایا گیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات 38ھ میں امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے عہد خلافت میں ہوئی۔ ان کی نماز جنازہ ان کے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھائی اور یہ اور دوسرے بھانجوں نے ان کو قبر میں اتارا۔

(مدارج النبوۃ ج:2،ص:832)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# طلبائے مدارس کا کامیاب کیریر

## کچھ رہ نما اصول

**''بزمِ دانش''** میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکروبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علماے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ **از: مبارک حسین مصباحی**

دسمبر 2008ء کا عنوان: بین الاقوامی سیاسی حالات اور مسلمان

جنوری 2009ء کا عنوان: ہندستان میں دہشت گردی -- بے لاگ تجزیہ

### طلبۂ مدارس سب سے پہلے اپنا ہدف متعین کریں

گزشتہ دہائیوں میں طلبۂ مدارس کے ذہن وفکر میں کیریر کا تصور بھی شاید نہ رہا ہو۔ اُن دنوں طلبۂ مدارس کا ہدف تدریس، امامت اور خطابت تک محدود تھا۔ اُن کا کیریر اور اُن کا مستقبل یہی چیزیں تھیں۔ یہاں تک کہ یہ مقولہ ہی بن گیا کہ ''ملا کی دوڑ مدرسہ سے مسجد تک''۔ لوگ طلبۂ مدارس کے تعلق سے یہ نظریہ رکھتے تھے کہ اُن کی اہلیت صرف مسجد ومدرسہ تک ہی محدود ہے۔ لیکن موجودہ دہائی میں طلبہ کے اندر پیدا ہوئے جدید رجحانات نے لوگوں کو اس نظریے پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے مجبور کر دیا۔ طلبہ تدریس، امامت اور خطابت کے علاوہ دیگر محاذ پر بھی سوچنے لگے ہیں۔ اب یہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے وجود کا احساس دلا رہے ہیں۔ طلبہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے لوگوں کو حیرت زدہ کر رہے ہیں۔ فارغینِ مدارس دنیا کے جس شعبے میں جانا چاہیں، اُن کے لیے راہیں کھل رہی ہیں، وہ اپنی محنت وصلاحیت سے زندگی کے ہر شعبے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ تبدیلی خوش آیند ہے۔ اس سلسلے میں مدارس اور ذمہ دارانِ مدارس کا اہم کردار ہے۔ متعدد مدارس نے اپنے ادارے کی سندوں کو عصری جامعات میں منظور کرا لیا ہے، جس کی بنا پر فارغینِ مدارس عصری اداروں میں داخلے کے مجاز ہوں گے۔ یہ مدارس اور اربابِ مدارس کا قابلِ قدر کارنامہ ہے۔

طلبۂ مدارس کے کامیاب کیریر کی جہاں تک بات ہے تو میں عرض کروں گا کہ اپنے کامیاب کیریر کے لیے سب سے پہلے اپنے ہدف کا تعین کریں، اس کے بعد اس متعین ہدف میں کامیاب کیریر کو تلاش کریں۔ اگر آپ مسجد ومدرسہ سے منسلک رہ کر دین کی خدمت کا فریضہ انجام دینا چاہتے ہیں تو یہ بہت اچھی بات ہے، اس کے لیے آپ اپنا وقت دینی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کریں اور ایامِ طالب علمی سے ہی اپنے ذہن کو دعوت وتبلیغ کے لیے تیار کریں۔ اور اگر آپ کامیاب مدرس بننا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنے وقت کا بیش تر حصہ درسی کتابوں کے مطالعہ میں لگانا ہوگا، ساتھیوں کے درمیان علمی مکالمے اور بحث وتکرار بھی اس ضمن میں مفید ہوں گے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ طلبہ اگر اخلاص کے ساتھ مساجد ومدارس میں رہ کر خدمت دین کا فریضہ انجام دیں تو یہی اُن کا سب سے کامیاب کیریر ہوگا۔ اخلاص شرط ہے ورنہ بغیر اخلاص کے اس میدان کی پوری زندگی غربت وافلاس کا رونا رو کر گزرے گی اور نہ ہی آپ سعادت اخروی سے سرفراز ہو پائیں گے۔ حضور حافظ ملت





علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی (متوفی 1976ء) کے اخلاص کا ہی ثمرہ ہے کہ آج دنیاے سنیت کے پاس جامعہ اشرفیہ جیسا ایک عظیم ادارہ ہے۔

بہر کیف! طلبۂ مدارس، مساجد ومدارس کے علاوہ دیگر محاذوں پر بھی نظر آنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی اچھی فکر ہے کہ قدیم نافع اور جدید صالح کا عطر مجموعہ بن کر آپ قوم وملت کو مشک بار کریں، اس کے لیے آپ مدرسے کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد عصری درس گاہوں کا رخ کریں۔ اربابِ مدارس نے آپ کے لیے آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ آپ مدارس کی سندوں کے ذریعہ یونیورسٹیوں میں بھی داخلہ لینے کے مجاز ہیں۔ اپنے ہدف کا صحیح تعین کر کے آپ عصری جامعات میں داخلہ لیں اور اپنا کیریر کامیاب بنائیں۔ البتہ یہ بات پریشان کن ہے کہ ہدف کا تعین کرتے وقت ممکن ہے کہ آپ ایسے شعبے کا تعین کریں جس شعبے میں آپ کے مدرسے کو منظوری نہ ملی ہو تو یہاں آپ کو مایوسی ہوگی، کیوں کہ اب تک جتنے مدارس کی سندوں کو یونیورسٹیوں نے منظوری دی ہے وہ مخصوص شعبہ جات میں ہے۔ مثلاً شعبۂ عربی، شعبۂ دینیات اور اسلامک اسٹڈیز وغیرہ۔ اگر آپ کی خواہش اس کے علاوہ شعبے میں داخلہ لینے کی ہے تو یہ سند آپ کے کام نہیں آئے گی۔ اب اس کے حل کے لیے کوئی دوسرا طریقہ سوچنا ہوگا۔ یوپی اور بہار کے مدرسہ ایجوکیشنل بورڈ کی سندیں دیگر شعبوں میں کام آسکتی ہیں، مگر مینجمنٹ اور ٹیکنیکل شعبوں میں جانے کے لیے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کی مارک شیٹ حاصل کرنی پڑے گی۔ اگر آپ مدرسے سے فارغ ہونے تک کم از کم ان دونوں مارک شیٹ کو حاصل کر لیں تو آپ کا وقت بچے گا اور آپ کو ترقی کے اچھے مواقع ملیں گے۔

میں نے سنا ہے کہ مچھلی کے بچوں کو تیرنا نہیں سکھایا جاتا، اور غالباً میں نے سائنس کی کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ مچھلی کے بچوں کو پیدائش کے بعد تیز پانی کی رو پر چھوڑ دیا جاتا ہے، وہ از خود تیرنا سیکھ جاتے ہیں۔ یوں ہی طلبۂ مدارس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ اپنا ہدف متعین کریں اور اس ہدف کی جانب پیش قدمی کریں تو انھیں خود بہ خود راہیں ملتی جائیں گی اور کامیاب کیریر ان کا منتظر قدوم رہے گا۔ البتہ دینی ادارے کا پروردہ ہونے کی حیثیت سے طلبۂ مدارس کا دینی فریضہ ہے کہ وہ دین سے دور نہ ہوں اور دین ومذہب کے مقابلے میں کسی چیز کو ترجیح نہ دیں۔ جس شعبے میں جائیں اپنی الگ شناخت قائم کرنے کی کوشش کریں۔

از: محمد حسین مصباحی، بلوا چوک، جے نگر، مدھوبنی، بہار

### طلبہ کردار وعمل میں اسلاف کا نمونہ بنیں

برصغیر ہند وپاک میں سیکڑوں سال سے مدارس دینیہ چل رہے ہیں۔ زوال وعروج دنیا کے خواص میں سے ہے، مدارس بھی کچھ اسی طرح کے حادثات کا شکار ہوئے، کبھی ان کا تعلیمی معیار بہت بلند ہوا اور کبھی پستی وانحطاط کا شکار ہو گیا۔ دراصل مدارس کی ترقی وتنزلی کا معیار وہ طلبہ اسلام ہیں جو شب وروز مدارس کی آغوش تربیت میں پروان چڑھتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کی یہ تاریخ رہی ہے کہ انھیں دینی درس گاہوں سے ایسے ایسے جید علما پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے ملک وقوم سے ہر میدان میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا، چاہے دینی قیادت کے فرائض کی انجام دہی اور سماجی ذمہ داری کی بات ہو یا سیاسی امور کی انجام آوری کا مسئلہ۔ انھوں نے ہر میدان میں جو نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں، آج بھی ملت کی تاریخ ان سے روشن اور تابناک ہے۔

طلبۂ مدارس نے ہر دور میں اس دور کے مناسب اور موافق علم سے آراستہ ہو کر امت مسلمہ کی صحیح رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ انھوں نے اپنی صواب دید سے اپنا لائحۂ عمل طے کیا اور ہر میدان میں کامیاب رہے، لیکن جب ہم ماضی کے جھروکوں سے حال کا جائزہ لیتے ہیں تو دینی مدارس کی موجودہ کارکردگی اور طلبۂ کرام کی غفلت سے کچھ مایوسی نظر آتی ہے۔ طلبۂ مدارس کی اکثر وبیش تر تعداد کامیاب نظر آتی ہے، لیکن اس میں وہ طلبہ بھی ہیں جو سرد مہری، کوتاہی اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کی وجہ سے گردشِ ایام کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس میں قصور خود ان کا ہے، نہ کہ مدارس کا۔ اس دور کے طلبۂ مدارس اپنے اسلاف کے طریق کار سے دور ہٹے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے نہ وہ ان کی طرح سے جلالت علمی رکھتے ہیں، نہ مصلحانہ لیاقت اور قائدانہ صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں۔ ان امور پر خود طلبہ کو غور کرنا چاہیے۔ اسلامی نظریۂ تعلیم اور اس کے مقاصد کو سامنے رکھ کر ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دینی تعلیم کا حصول محض مال وزر کی ہوس، دولت وثروت کی خواہش، دنیوی جاہ وجلال اور ظاہری شان وشوکت نہ ہو۔ دینی تعلیم کا بنیادی

مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طالب علم خود اپنے اخلاق وکردار اور اعمال وافکار میں اسلاف کا نمونہ بنے اور پھر اسے دوسروں تک پہنچائے، یعنی خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دے اور دین کی حفاظت وصیانت کا جذبہ بھی رکھے۔ تحصیل علم خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے وہ علم سیکھا جس سے خدا کی خوشنودی طلب کی جاتی ہے، لیکن اس غرض سے سیکھا کہ اس سے دنیا کی آسائش طلب کرے تو قیامت کے دن اس کو جنت کی خوشبو میسر نہیں ہوگی۔'' (ابوداؤد)

روز بہ روز تعلیم کا تعلق سرمایہ کے ساتھ مضبوط ہوتا جا رہا ہے، زندگی کے تمام شعبوں پر مادیت غالب آرہی ہے، طالبانِ علومِ دین کو اس میں حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔

کامیاب کیریر کے لیے ضروری ہے کہ طلبا اپنے مذہبی تشخص کو برقرار رکھیں، زمانۂ طالب علمی ہی سے اپنے عزت ووقار پر کسی قسم کا حرف آنے کا موقع نہ دیں تاکہ عوام نفرت بھری نگاہوں سے نہ دیکھیں، بلکہ اس نظر سے دیکھیں کہ طالب علم کے گزرنے سے قبرستان کے مردوں سے چالیس روز تک عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ وضع قطع اسلامی ہو، چال چلن طالب علمانہ ہو نہ کہ متکبرانہ۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ قرآن وحدیث کا درس دینے والے طلبہ بسا اوقات احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں فرمایا: ''وَلَاتَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَیْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ۔'' (87/12) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اس کی رحمت سے تو صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔

کسی بھی فرد، جماعت اور قوم کی تباہی کے لیے یہ امر کافی ہے کہ وہ ناامیدی کی شکار ہو جائے۔ احساس کم تری اور ناامیدی اس دور کے متعدی مرض بن گئے ہیں، جس کے شکار طلبہ کے ساتھ اساتذہ بھی ہیں۔ اسی احساس کم تری کا نتیجہ ہے کہ طلبہ اپنی عزت آپ نہیں کرتے، غیروں کے سامنے جانے، ان سے ملنے اور بات کرنے سے جھجکتے ہیں۔ جب دینی علوم کے حامل خود کو بے بضاعت، حقیر وذلیل تصور کریں گے تو دنیا بھلا ان کی کیا عزت کرے گی۔ یہ وہ خطرناک مرض ہے جس نے بہتیروں کے سلسلۂ تعلیم کو درمیان ہی میں منقطع کر دیا۔ یہ محدود ذہنیت اور احساس کم تری پیش قدمی کی راہ میں بھی حائل ہے۔

تقریباً دو چار دہائیوں سے طلبۂ مدارس میں آہستہ آہستہ عصری تعلیم کا رجحان بڑھ رہا ہے جو یقیناً خوش آئند اور روشن مستقبل کا غماز ہے، اسلام نے ہر جائز علم سیکھنے کی اجازت دی ہے۔ ہر عالمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان علوم کو ضرور حاصل کرے جو عصری تقاضوں کو پورا کرتے ہوں، اس لیے کہ: ''من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل.'' جو اپنے زمانے کے اقدار کو نہ جانے وہ جاہل ہے۔ الحمد للہ! طلبۂ مدارس میں اس کا شعور پیدا ہوا ہے اور وہ جدید علوم کے سیکھنے کی طرف راغب ہو رہے ہیں، اور یہی ہونا بھی چاہیے، کیوں کہ مذہب اسلام پر فکری یلغار کا سلسلہ جاری ہے، جس کا دفاع صرف علم ہی کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا قابلِ افسوس پہلو یہ بھی ہے کہ بعض فارغین مدارس آٹھ دس سال تک دینی علوم کی تحصیل کے بعد یونیورسٹیز کا رخ کرتے ہیں تو اس قدر آزادروی کے شکار ہو جاتے ہیں اور مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں کہ انھیں یاد بھی نہیں رہتا کہ وہ کسی دینی درس گاہ کے فارغ اور کسی مذہبی ماحول کے پروردہ ہیں۔

طلبہ کے سامنے حصولِ علم دین کا مقصد ہونا چاہیے۔ دورانِ طالب علمی ہی سے اپنے اندر مصلحانہ اور قائدانہ جذبہ کو فروغ دینا چاہیے۔ دعوت وتبلیغ اور امت کی اصلاح ہی علم دین کے حصول کا داعیہ ہے۔ طلبۂ مدارس کی نئی نسل اگر جدید آلات سے لیس ہو کر نئے طرز پر دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دے تو اس راہ میں بہت حد تک کامیابی مل سکتی ہے۔

طالب علموں میں ایک بہت بڑی بیماری سستی اور تضیع اوقات کی پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں تقریباً لازم وملزوم ہیں۔ کاہلی کے بطن سے تضیع اوقات کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور یہ ایسی بیماری ہے جس چیز سے زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ وقت انسان کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے، بلکہ وقت ہی زندگی ہے۔ طلبۂ مدارس کو غور کرنا چاہیے کہ مال کے ضیاع کو ساری دنیا حماقت سمجھتی ہے تو وقت کا ضیاع کتنی بڑی حماقت ہوگی۔ جب تک کاہلی اور تن آسانی کو چھوڑ کر جہدِ مسلسل اور عمل پیہم میں نہیں لگ جاتے، اس وقت تک مکمل کامیاب طالب علم نہیں ہو سکتے۔

از: محمد شہاب الدین مصباحی، تحقیق سال اول، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور





## ہمارے اندر حالات کو بدلنے کا حوصلہ ہونا چاہیے

تعلیم ہر انسان کے لیے ضروری ہے، بغیر علم کے انسان اور جانور کے درمیان امتیاز مشکل ہے۔ قرآن واضح لفظوں میں اعلان کر رہا ہے: ''قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ.'' (الزمر، آیت: 9، پ: 23) تم فرماؤ، کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ اس آیت مقدسہ سے تعلیم کی اہمیت وضرورت کا پتہ چلتا ہے۔ نسل انسانی کی آرائش میں تعلیم کا کلیدی رول رہا ہے، اور خاص کر وہ تعلیم جس سے انسانیت سنورتی ہے اس کا معیار بہت بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تعلیم کا چلن ہر دور اور ہر ملک میں رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ تحصیل علم کا مقصد درحقیقت شخصیت کی تکمیل ہے۔ ایک شخص کی شخصیت اسی وقت مکمل ہو سکتی ہے جب ایک طرف اسے خدا کی ذات وصفات کا علم ہو اور دوسری طرف اسے اس ربط وتعلق کا بھی علم ہو جو اسے خدا کی ذات سے ہے اور اس پر اسے کامل یقین بھی ہو اور اسی روشنی میں وہ اپنے اعمال وافکار اور اخلاق وکردار میں پیغمبر اسلام کا نمونہ بنے اور دوسروں تک اسلام کی تعلیمات پہنچانے کی سعی کرے۔

اس وقت حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ ان حالات میں ہم اپنے خیالی جزیروں میں پناہ لے کر علم وادب اور سیاست وقوت کی دنیا میں کوئی دیرپا نقش ہرگز قائم نہیں کر سکتے، اس کے لیے ہمارے اندر زندہ دلی، ایمان ویقین، اخلاق وکردار اور علمی رسوخ کی روشنی میں حالات کو بدلنے کا عزم وحوصلہ ہونا چاہیے اور بدلتے حالت کے ساتھ ہمیں بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے افکار ونظریات میں تبدیلی لانی ہوگی۔ پچھلے کئی سالوں میں طلبۂ مدارس میں تعلیمی بیداری آئی ہے جو ایک خوش آیند قدم ہے۔ اہل مدارس نے بھی زمانے کی تبدیلیوں کو محسوس کرتے ہوئے مناہج تعلیم کو وقت کے سانچے میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی ہے، خصوصاً اس سلسلے میں ''تنظیم المدارس'' کی پیش قدمی قابل تحسین وقابل مبارک باد ہے جس نے کافی تگ ودو کے بعد ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مفید دنیوی تعلیم کی بھی بھرپور رعایت ہے۔ اس نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرنے والا کسی بھی میدان میں اپنی بالادستی قائم کر سکتا ہے، خدا کرے یہ نصاب تعلیم جملہ مدارس میں رائج ہو۔

طلبۂ مدارس کے لیے اب عصری جامعات کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، ہمارے متعدد مدارس کی سندوں کو یونیورسٹیز میں تسلیم کر لیا گیا ہے، اب اس کے ذریعہ طلبہ اپنی استعداد کے مطابق بی. اے. عربک، اردو، انگریزی، اسلامک اسٹڈیز اور ایم اے وغیرہ میں ایڈمشن لے کر اپنے کیریر کو مزید کامیابی کی راہوں پر گامزن کر سکتے ہیں۔ صرف ضرورت ہے عزم وحوصلہ کی۔

کسی بھی میدان میں کامیابی حاصل کرنے کے کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ حصولِ تعلیم کے بھی کچھ بنیادی اصول ہیں۔ یہاں اجمالاً چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

(1)-**نصب العین (ٹارگٹ) کا تعین:** ایک طالب علم کے لیے یہ بہت ہی ضروری ہے کہ پہلے وہ اپنا ایک نصب العین متعین کرے کہ اسے مستقبل میں کیا کرنا ہے اور کیا بننا ہے اور اس کے لازمی تقاضے کیا ہیں، پھر اسی نصب العین کو سامنے رکھ کر وہ اپنی تگ ودو جاری رکھے، ورنہ جس طرح تلاشِ منزل بغیر پتہ کے بے سود ہے، ویسے ہی بغیر نصب العین کے قدم بڑھانا بے سود ہے۔

(2)-**اخلاص:** آپ دنیا کی کسی بھی روشن ہستی کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو اس کی زندگی کی تعمیر میں اخلاص کو ایک اہم عامل پائیں گے اور دیکھیں گے کہ اس کی ہر چیز کو اخلاص نے دوام بخشا ہے، اس کی زندہ وتابندہ مثال حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات اور الجامعۃ الاشرفیہ ہے۔ حافظ ملت نے جاہ ومال، حکومت وتجارت اور نفسانی لذت وراحت کو اپنا مطمع نظر اور مبلغ پرواز کبھی نہیں بنایا۔ اس کا بہتر نتیجہ آج پوری دنیا کے سامنے ہے، اس لیے ہر چیز کی بنیاد خلوص پر ہونی چاہیے، تاکہ اس کی ابتدا اور انتہا دونوں نتیجہ خیز ہوں۔

(3)-**ذاتی محنت ولگن:** اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اساتذہ کی رہ نمائی ایک ضروری امر ہے، اس کے باوجود انسان کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی ذاتی محنت ولگن، مقصد کی دھن اور اس کی تڑپ ہوتی ہے۔

(4)-**خودشناسی وخودداری:** یہ دونوں چیزیں کامیابی کی راہیں کھولتی ہیں۔ (5)-دانش مند سرپرست کی رہ نمائی:

(6)-**احساس کمتری اور محدود ذہنیت سے احتراز:** یہ دونوں چیزیں انسان کو بزدل بنا دیتی ہیں، اس لیے ان سے مکمل احتراز ضروری ہے۔

حوصلہ پست ہے کیوں عزمِ جواں پیدا کر  
اٹھ زمانے میں قیامت کا سماں پیدا کر

از: رفیق الاسلام مصباحی، پانچ ڈمٹھی، اتر دیناج پور، مغربی بنگال

## طلبہ کو چاهیے که وہ کامیاب لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں

سوانح عمریاں، ذاتی تاثرات وواردات کے مطالعے اور مشاہدات وتجارب کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی طالب علم اپنی ذاتی زندگی کے دوران محنت، جدو جہد، لگن ایمان داری اور خلوص کے ساتھ تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ ضرور بادۂ کامرانی سے سرشار ہوتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی بھی انسان ہر محاذ پر کامیابی وکامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا، ایک ہی محاذ ہوگا جہاں وہ اپنی قابلیت وصلاحیت کی جولانیوں سے اپنے بعد والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ یونیورسٹیز اور عصری جامعات سے رابطہ وتعلق کے بعد طلبائے مدارس کی حقیقت و اہمیت اور بھی واضح ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مدارس سے فراغت کے بعد جن طلبہ نے عصری جامعات کو اپنی صلاحیتوں کی جولان گاہ بنایا ہے اور مکمل خود اعتمادی، اسلامی شناخت کی بقا کے لیے تعلیمی مراحل طے کیے ہیں ان کے کامیاب کیریر کو ہم اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جن حضرات نے مدرسہ میں اپنی کامیاب تعلیمی زندگی کے بعد یونیورسٹی کا رخ کیا اور مکمل خود اعتمادی اور مذہبی تشخص کے ساتھ کامیابی وکامرانی کے مراحل طے کیے وہ اہل مدارس ہی کے لیے نہیں بلکہ غیروں کے لیے بھی قابل رشک ہیں۔

طلبۂ مدارس کے کامیاب کیریر کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ موجودہ دور تخصص کا دور ہے۔ تعلیم کی شاخیں زلف جاناں کی طرح دراز ہوتی جا رہی ہیں اور دینی ودنیوی علوم کی جانب علم کی تقسیم نے تخصص کی اہمیت وضرورت کو دو چند کر دیا ہے اس لیے تعلیم کی تکمیل کے بعد ضروری ہے کہ فارغین کسی ایک مضمون میں تخصص کریں اور تعلیم کے جس شعبہ میں بھی قدم رنجہ ہوں اپنی انفرادیت اور اہمیت کا مکمل لحاظ رکھیں۔ آج جب کہ بڑی سرعت کے ساتھ مغربی دنیا روحانیت کی جانب بڑھ رہی ہے، جنسی تعفن کی شکار مغربی معاشرے کی خرابی ان پر عیاں ہوتی جا رہی ہے۔ فارغین مدارس کی اہمیت اور ان کی افادیت اور زیادہ ہو گئی ہے، کیوں کہ محض یونیورسٹی اور عصری جامعات کے فارغین ان کے روحانی وباطنی داعیات کی تسکین کا سامان فراہم نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود جنسی اباحیت کے بحر میں غوطہ زن نہیں تو اس سے محفوظ بھی نہیں ہوتے۔

یہ بھی ایک عالم گیر حقیقت ہے کہ زمانے کی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کے باوجود محنت وجدو جہد اور اپنے اوقات کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے والے طلبہ اپنے ہدف اور مقصد کے حصول میں نمایاں کامیابی سے زمانہ اور اہل زمانہ کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔ ایک مدرسہ سے فارغ کی .I.A.S کے امتحان میں کامیابی اس کی روشن مثال اور ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ذہن وادراک کا تفاوت فطری اور قدرتی لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو طلبہ مسلسل لگن، محنت ومشقت اور اخلاص کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اپنے اوقات کو تعلیم ہی پر صرف کرتے ہیں، اللہ رب العزت انھیں ضرور ان کے مقصد میں کامیابی سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس کے برعکس ذہین وفطین ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب علم مسلسل سعی، محنت وجدو جہد، اخلاص اور توکل علی اللہ کے ساتھ نہیں پڑھتا ہے تو بعید نہیں ہے کہ زندگی کی پر پیچ وادیوں میں ہمیشہ خمارِ ناکامی سے حیران وسرگرداں رہے۔

دوسروں کے تجربات سے فائدہ حاصل کرنا عقل ودانائی کی بات ہے، طلبۂ مدارس کو ایسے مصنفین ومبلغین اور ہمہ گیر لوگوں کی سوانح حیات کا مطالعہ اور ان کی زندگیوں کے دروبست میں غور وخوض کرنا چاہیے۔ جنھوں نے زمانے کو (جس کی ناشکری اور تنگ مائیگی ضرب المثل ہے) اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا قائل کر لیا اور فکر وعمل، تحریک وتنظیم، علم ودانش کے میدانوں میں جن کی راہ پیمائیوں کے نقوش اتنے صاف اور واضح ہیں کہ دنیا میں اٹھنے والے گرد وغبار کے طوفان بھی ان کو دھندلا نہ کر سکے۔ جنھوں نے لوگوں کو زمانہ بساز نہیں زمانہ ستیزہ کی ترغیب دی۔ امام اعظم ابو حنیفہ، مجدد الف ثانی شیخ عبد الحق محدث دہلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، امام احمد رضا قادری، حضور حافظ ملت علامہ ارشد القادری، پروفیسر مسعود احمد (رحمۃ اللہ علیہم) یہ وہ قلب وروح کی زندگی جینے والے تاریخ اسلام کے جیالے ہیں جنھیں ہم فکر ونظر کے عام ترازو سے نہیں تول سکتے۔ ان میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اور علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ان طلبہ، اساتذہ، دعاۃ ومبلغین کے لیے نمونۂ فکر وعمل ہیں جو حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے زمانے کے ساتھ مصالحت کر لیتے ہیں۔

از: محمد علی مراد آبادی، جامعه اشرفیه، مبارك پور





# ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۸۸ء

## جلد: ۱۳/ جنوری تا دسمبر

مولانا محمد ساجد رضا مصباحی

| نمبر شمار | عنوانات | مضمون نگار | ماہ | صفحات |
|---|---|---|---|---|
| | **اداریے** | | | |
| ۱ | رشحات (ابن تیمیہ کے عقائد) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | جنوری | ۵-۴ |
| ۲ | رشحات (عرس حافظ ملت ۱۹۸۸ء کی رپورٹ) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | فروری | ۴-۳ |
| ۳ | رشحات (یادگار سلف مولانا مبین الدین امروہوی) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | مارچ | ۵-۳ |
| ۴ | رشحات (جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی سرگرمیاں) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | اپریل | ۴-۳ |
| ۵ | رشحات (بہی خواہانِ اشرفیہ کے نام محبت بھرا پیغام) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | مئی | ۵-۳ |
| ۶ | رشحات (جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی سرگرمیاں) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | جون | ۴-۳ |
| ۷ | رشحات (طہارت ونظافت اور ہمارا معاشرہ) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | اگست | ۷-۳ |
| ۸ | رشحات (زیارت حرمین سے واپسی پر حضرت عزیز ملت کا خیر مقدم) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | ستمبر | ۵-۳ |
| ۹ | رشحات (ملا برہان الدین سربراہ بوہرہ کا توبہ نامہ) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | اکتوبر | ۵-۳ |
| ۱۰ | رشحات (جشن میلاد النبی کے سلسلے میں حکومت سعودیہ کا منفی کردار) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی | دسمبر | ۶-۲ |
| | **انوار حدیث** | | | |
| ۱ | اولیاء اللہ سے استمداد احادیث کی روشنی میں | اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ | جنوری | ۷-۶ |
| ۲ | اولیاء اللہ سے استمداد احادیث کی روشنی میں | اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ | فروری | ۷-۵ |
| ۳ | حدیث الصوم (روزے سے متعلق چند احادیث) | مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی | مئی | ۱۵-۱۴ |
| ۴ | اہمیت زکوٰۃ وصدقہ احادیث کی روشنی میں | مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی | مئی | ۶ |
| | **فقہیات** | | | |
| ۱ | عقل کو اسلام میں دخل ہے یا نہیں/ شراب اور خنزیر کی چربی کی مالش/ شادی کی رسوم پر پابندی | مفتی محمد شریف الحق امجدی | جنوری | ۹-۸ |
| ۲ | علیہ السلام کا مسئلہ | حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان | فروری | ۸ |
| ۳ | لاٹری کا شرعی حکم | مفتی محمد نظام الدین رضوی | مارچ | ۹-۶ |
| ۴ | اذان قبر کا حکم/ اذان کے بعد تثویب | مفتی محمد شریف الحق امجدی | اپریل | ۶-۵ |
| ۵ | مقاربت کا فطری اور شرعی طریقہ | قاضی اطیع الحق عثمانی | اپریل | ۳۲-۲۹ |
| ۶ | ایک روزہ تنہا رکھنے کا شرعی حکم | مفتی محمد شریف الحق امجدی | مئی | ۱۰-۷ |

## تحقیقات



## اسلامیات









## نظریات



## شخصیات

## ......《عزیزیات》......



## ......《تاریخیات》......



## ......《ادبیات》......



## ......《نقد و نظر》......









## ......《منظومات》......



## ......《مکتوبات》......



## ......《سرگرمیاں》......

### (روداد چمن)

# نقد ونظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

نام کتاب : **ایصال ثواب کے شرعی طریقے**
مصنف : **ملک العلما مولانا ظفر الدین احمد رضوی بہاری رحمۃ اللہ علیہ**
صفحات : 164 قیمت : 60
بہ اہتمام : مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی
ناشر : المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ
اشاعت پنجم : رمضان المبارک 1429ھ/ 2008ء
مبصر : امتیاز احمد مصباحی، المجمع الاسلامی، مبارک پور

پیش نظر کتاب ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری (متوفی 1382ھ/ 1962ء) کی وقیع اور گراں قدر تصنیفات میں سے ایک ہے۔ انھوں نے اس کتاب کو بڑی دقت نظر اور دیدہ ریزی کے ساتھ قلیل عرصہ میں مرتب کیا ہے۔ موصوف خلفاے اعلیٰ حضرت میں خصوصی امتیاز کے حامل ہیں، خلیفہ ہی نہیں، ان کے فیضان علوم نبوی سے استفادہ کرنے والوں میں بھی سرفہرست ہیں۔ اعلیٰ حضرت انھیں بے حد عزیز رکھتے۔ ملک العلما کا خطاب خود آپ ہی نے دیا ہے۔ 55/ برس تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور حکمت کے گنجینے خوب لٹائے، اس دوران اہم اور مستند کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ان میں سے زیادہ تر زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں اور بعض قلمی نسخے کی صورت میں محفوظ ہیں۔ کچھ ہی کتابیں ہیں جو طباعت کے مرحلہ سے گزر کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ایسی ہی معتبر اور گراں مایہ شخصیت سے منسوب ہے، اس کتاب کا نام "نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب" معروف بہ "ایصال ثواب کے شرعی طریقے" ہے، جو 1354ھ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب 164 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، ابتدا میں پیش لفظ کے بعد سات صفحات پر مصلح قوم وملت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور کا ایک وقیع مضمون ہے، جو ملک العلما کے مختصر تعارف کے حوالے سے بے مثال ہے۔ یہ اس کتاب کی پانچویں اشاعت ہے، جس کا سہرا خالص مذہبی، دینی وملی ادارہ المجمع الاسلامی کے سر ہے۔ اس سے قبل یہ کتاب 1354ھ میں ملک العلما کی حیات ہی میں پٹنہ سے شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ادارہ احسن المعارف کان پور سے مولانا محمد ادریس رفاقتی کے اہتمام سے 1385ھ میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فارسی عبارتوں کا ترجمہ بھی مولانا محمد یوسف عظیم آبادی (مدرس مدرسہ احسن المدارس) کان پور نے کر دیا ہے، پھر اسی دوسرے ایڈیشن کا عکس المجمع العلمی ہزاری باغ بہار سے شائع ہوا، اور اس کا ایک ایڈیشن پاکستان سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس پانچویں ایڈیشن کی اشاعت کا اہتمام مولانا نصر اللہ رضوی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور نے کیا ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں ایصال ثواب کے ان شرعی طریقوں کا ذکر ہے، جن طرق کی تعداد پچیس تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے جس طریقہ پر بھی عمل کیا جائے، میت کو ثواب ملے گا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

**(پہلا طریقہ)** سورۂ یٰسین شریف پڑھنا، جس کا کرنا مرنے کے بعد بلکہ وقت احتضار ہی ثابت ہے، **(دوسرا طریقہ)** بزرگوں کا میت کو چومنا اور اس کو بوسہ دینا، **(تیسرا طریقہ)** کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں دفن دینا، **(چوتھا طریقہ)** میت کے کفن پر کوئی آیت کریمہ، کلمۂ طیبہ یا عہد نامہ یا کوئی دعا لکھنا، **(پانچواں طریقہ)** جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا، **(چھٹا طریقہ)** نماز جنازہ پڑھنا اور تکثیر مصلیان مطلوب ومرغوب ہے، اس لیے ہر نمازی اس میت کا سفارشی ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے، **(ساتواں طریقہ)** مقدس جگہوں اور صالحین کے پڑوس میں دفن کرنا، **(آٹھواں طریقہ)** جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا یا قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں، اس کے بعد مردے کو دفن کر دیں، **(نواں طریقہ)** قبر پر پانی چھڑکنا **(دسواں طریقہ)** بعد دفن میت کو تلقین کرنا **(گیارھواں طریقہ)** دعاے تثبت کرنا، **(بارھواں**

طریقہ) بعد دفن قبر پر اذان دینا (**تیرہواں طریقہ**) قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا، (**چودھواں طریقہ**) دفن کے بعد سرہانے فاتحۂ بقریہ اور پائینتی خاتمۂ سورۂ بقرہ پڑھنا، (**پندرہواں طریقہ**) قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکے، (**سولہواں طریقہ**) زیارت قبور کرنا، خصوصاً اپنے اعزہ واقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے، (**سترہواں طریقہ**) اخیر شب قبرستان جا کر مردوں کے لیے دعا کرنا، (**اٹھارہواں طریقہ**) جمعہ، جمعرات کے دن خصوصاً والدین کی قبر کی زیارت کرنا (**انیسواں طریقہ**) سال بہ سال ہر سر سال پر زیارت کو جانا، (**بیسواں طریقہ**) ستر ہزار بار کلمۂ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا کہ امین مغفرت ہے، (**اکیسواں طریقہ**) قرآن شریف پڑھ کر بخشنا (**بائیسواں طریقہ**) میت کے لیے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشنا، (**تئیسواں طریقہ**) کنواں کھودوا کر میت کی طرف سے وقف کر دینا (**چوبیسواں طریقہ**) میت کی طرف سے صدقہ کرنا، (**پچیسواں طریقہ**) میت کی طرف سے قربانی کرنا۔

میت کو ثواب پہنچانے کے ان پچیس طریقوں کو نہایت ہی جامع اور دل پذیر انداز میں قرآن وحدیث اور محدثین ومفسرین، علما، ائمۂ کرام وصوفیہ اعلام کے اقوال سے مزین کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ایصال ثواب کے تعلق سے تمام حقائق منکشف ہو جاتے ہیں، جن میں صحت روایت و درایت کے ساتھ خلوص وعقیدت کی چاشنی بھی شامل ہے۔ ایصال ثواب کے ثبوت اور اس کے طریقوں کے تعلق سے اس طرح مبرہن اور مدلل کتاب دیکھنے میں نہیں آئی۔ مصنف کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی تحقیق وتدقیق کے اعلیٰ معیار پر فائز ہے۔

مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اسلام دشمن عناصر کے اشاروں پر سرے سے ایصال ثواب ہی کا انکار کر بیٹھی، حالاں کہ اسے قرن اول سے ہی مستحسن اور کار خیر شمار کیا جاتا رہا ہے اور جس پر صحابہ، تابعین، اہل بیت کرام اور ائمۂ دین کا ہمیشہ سے عمل رہا ہے۔ اور کچھ ایسے افراد بھی ہوئے جنھوں نے انکار تو نہیں کیا لیکن تذبذب کا شکار ضرور ہوئے۔ انھیں لوگوں میں بہار کی مشہور و معروف خانقاہ عمادیہ مجیبیہ، پھلواری شریف کے ایک فرد مولانا محی الدین تمنا عمادی مجیبی ہیں، انھیں ایصال ثواب کے طریقوں میں کسی باہری اثر کی وجہ سے شک پڑ گیا۔ اس لیے انھوں نے رفع شک کے لیے جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے اساتذہ کی خدمت میں سوال نامہ بھیجا۔ اساتذہ نے خود جواب نہ دے کر یہ سوال نامہ اسی مدرسہ میں ہیئت وحدیث کے ممتاز استاذ امام العصر ملک العلما حضرت مولانا سید ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ موصوف نے قلیل مدت میں اس استفتا کے جواب میں دلائل و براہین کے انبار لگاتے ہوئے ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا، جس کی مخالف و موافق علما نے تصدیق کر کے مولانا تمنا عمادی کو پہنچا دیا۔

واضح رہے کہ یہ رسالہ مولانا تمنا عمادی کے چار سوالات کے جواب میں تحریر کیا گیا، لیکن چوں کہ عوام وخواص سب کے لیے یکساں مفید ہے، اس لیے اشاعت کے مراحل طے کرتے ہوئے یہ رسالہ ہم تک پہنچا، چناں چہ کتاب کے مصنف خود فرماتے ہیں:

> ”قصد تھا کہ ان چاروں سوالات کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کر دیے جائیں، مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام ”نصرة الأصحاب بأقسام إيصال الثواب“ (1354ھ) رکھا جائے۔
>
> خداوندا اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل وتصنیفات کی طرح مقبول فرما اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس کا فائدہ پہنچا۔“

ضرورت ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچایا جائے تاکہ ایصال ثواب کے تعلق سے جو حضرات تذبذب کے شکار ہیں انھیں ٹھوس جواب مل سکے اور ان کا شک دور ہو جائے۔ اور جو حضرات اس پر عمل پیرا ہیں ان کے اعتماد ویقین میں پختگی آ جائے۔

یہ ایڈیشن حسن ظاہری و باطنی دونوں طرح کی خوبیوں سے مزین ہے۔ کتاب کا گیٹ اپ، کاغذ، طباعت، کتابت عمدہ ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مصنف، مہتمم اور ناشر کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے اور انھیں دارین کی سعادتوں سے مالا مال کرے۔ آمین۔



خیابان حرم

# حمد و نعت

## حمد

حضرت بیکل اتساہی بلرام پوری

اے خدا! عشرتِ دوامی دے
اپنے محبوب کی غلامی دے

میرے بھی لفظ محترم ہو جائیں
ذوقِ رومی دے، فکرِ جامی دے

آنکھ کو خاکِ پائے مصطفوی
ہونٹ کو نغمۂ سلامی دے

تیرے ٹکڑوں پہ زندگی گزرے
اتنی توفیق شادمانی دے

دل سے ہونٹوں پہ جب درود آئے
تو مجھے جذبۂ قیامی دے

رکھ غلام اپنے خاص بندوں کا
ساتھ ہی خدمت عوامی دے

مظہر ذات کبریا کے لیے
فکر کو مدحتِ گرامی دے

ق

اور اسی مدحتِ نبی کے لیے
اپنے بیکل کو خوش کلامی دے

## نعت پاک

عشق کے ہونٹوں پر جب آئے میرے نبی کا نام
خود مہکے جگ کو مہکائے میرے نبی کا نام

وہ رحمت ہے سب کے لیے پر جس پہ کرم ہو جائے
عاصی کو جنت پہنچائے میرے نبی کا نام

بیچ بھنور طوفان کی زد میں لوگ ہیں سب بے خوف
ڈوبتی نیا پار لگائے میرے نبی کا نام

خشک دلوں کو بخشے تراوٹ، اُجڑے ہوں آباد
صحرا کو گل زار بنائے میرے نبی کا نام

کیوں ہے پریشاں وقت کا مارا دل سے ذرا پکار
بگڑی ہوئی تقدیر بنائے میرے نبی کا نام

آج کے اس بے دست جہاں میں جینا ہے دشوار
جینے کا بس ایک اُپائے میرے نبی کا نام

بیکل دل کی گہرائی سے غوث کا صدقہ مانگ
نردھن کو دھنوان بنائے میرے نبی کا نام

..................

## نعت اقدس

ڈاکٹر صابر سنبھلی

جو ذکرِ شاہِ ہدیٰ صبح وشام کرتے ہیں
سنا ہے اُن کو فرشتے سلام کرتے ہیں

درودِ پاک کا جو اہتمام کرتے ہیں
وہ خود پہ آتشِ دوزخ حرام کرتے ہیں

جو ذکرِ پاکِ رسولِ انام کرتے ہیں
خدا گواہ بڑا نیک کام کرتے ہیں

بیاں ہو عظمتِ پائے حضور ناممکن
زمیں لپٹتی ہے جب بھی خرام کرتے ہیں

جو انبیا کے مکرم بھی ہیں امیر بھی ہیں
متاعِ زیست چلو اُن کے نام کرتے ہیں

نباہتے ہیں ہمارے حضور آقائی
کریں گے ہم بھی وہی جو غلام کرتے ہیں

سمجھ نہ پائیں گے ہم جیسے اُن کے رُتبے کو
نبی، رسول بھی جن کو امام کرتے ہیں

عجیب لطف زبانِ نبی میں ہے واللہ!
فضائیں سنتی ہیں جب وہ کلام کرتے ہیں

خدا گواہ رسولِ ملائکہ صابر
حبیبِ رب کا بڑا احترام کرتے ہیں

# صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

## معذرت نامہ

مکرمی.............................سلام مسنون

مجھے یہ جان کر شدت سے ندامت کا احساس ہے کہ روز نامہ راشٹریہ سہارا اردو میں میرے کچھ دوہوں کو پڑھ کر استفتا اشرفیہ سے (ماہ نامہ) پوچھا گیا۔ یقیناً چھپے ہوئے دوہوں پر اعتراض ضروری تھا۔

میں ان دوہوں پر نادم ہوں۔ ان تمام قارئین ملت سے معافی کا طلب گار ہوں اور اشرفیہ کو گواہ بنا کر بارگاہ ایزدی میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ ایسی لغزش کے لیے اللہ عز و جل کی بارگاہ میں پناہ مانگتے ہوئے سرکار کائنات علیہ الصلاۃ والتسلیم کے طفیل، فیضان غوث الوریٰ، فیض ابو الفیض حضور حافظ ملت کا واسطہ چاہتا ہوئے آئندہ ایسی غلطی نہ ہونے کا طلب گار ہوں۔ بیکل اتساہی عفی عنہ، بلرامپور

## انقلاب 1857 نمبر تاریخی دستاویز ہے

ادیب اہل سنت، نازش ملت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام سنت ورحمت خیریت طرفین نیک مطلوب

ماہ نامہ اشرفیہ کا ''انقلاب 1857 نمبر'' واقعی ایک تاریخی دستاویز ہے۔ آپ نے نمبر نکال کر حقائق سے پردہ ہٹا کر اس کی رو نمائی کی ہے، اس پر آپ مبارک بادی قبول فرمائیں۔ ہمارے اکابر نے اس جہاد میں جو قربانیاں پیش کیں ان کا اظہار و بیان ایک اہم ضرورت تھی جس کو آپ نے بخوبی پورا کر دیا ہے۔ علمائے حق نے باطل سے ہمیشہ پنجہ آزمائی کی ہے، شہادت کے خون سے وہ سرخرو ہوئے ہیں۔ ایسے جاں بازوں کا تذکرہ ایک اہم ضرورت تھی جس کو آپ نے بخوبی پورا کر دیا ہے، بلکہ یہ کہا جائے کہ اس جہاد کے مجاہد علمائے کرام ہی تھے تو بھی حقیقت ہی کہا جائے گا کہ قوم مقتدی اور علما مقتدا ہیں۔ ایک ایک عالم ربانی نے اپنے اپنے مقام پر جو مثالی کردار پیش کیا ہے اس نے جہاد اسلام کا نقشہ نظروں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ان باوقار علما نے ہر طرح کے مصائب و آلام کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا ہے۔ وہ مردانگی و حریت کی ایک تابندہ مثال ہیں۔ آپ نے 150 سالہ تاریخی حقائق کو پیش کر کے ان کی قدر کی ہے اور گاہ گاہ باز خواں ایں قصہ پارینہ امیر پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ان کا ہر ایک کارواں سالار سپاہ نظر آتا ہے۔ حکومت وقت سے مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، ان کو معلوم تھا کہ عزت و ناموس خطرے ہی میں پڑ جائے گی، مال و متاع لوٹ لی جائیں گی، قید و بند اور کشت و خون کی راہوں سے گزرنا ہوگا، وہ شیر تھے، بہادر تھے، جاں باز تھے۔ اسلامی تاریخ میں یہ لوگ ہمیشہ اچھائی سے یاد کیے جائیں گے۔ اس جہاد میں حصہ لینا ان لوگوں کے نزدیک وقت کی اہم ضرورت تھی کہ جس غاصب و ظالم کے عہد میں یہ حضرات خود باعزت مناصب پر فائز تھے، ان کو ٹھوکر مار کر اس جابر ستم گر کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ یہ کوئی چند کتب خواندہ مولوی نہ تھے، بلکہ ان میں ایک ایک علامۂ عصر اور فرید دہر تھا۔ سارے امن و سکون کو ترک کر کے اسلامیات کے تحفظ کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں کود پڑے تھے۔ یہ کوئی جلد باز و جذباتی نہ تھے، بلکہ دور اندیش، مفکر و مدبر شخصیات پر مشتمل ایک عظیم جماعت تھی جو سر بکف میدانِ کارزار میں نکل پڑے تھے۔ مجاہدانہ کردار ان کی زندگی کے ابواب میں سے روشن باب تھا جو آج بھی ہمیں اسلامیات کے تحفظ کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کا جذبۂ زندگی دے رہا ہے اور مصائب و آلام، قید و بند کے درمیان بھی صبر و سکون کی زندگی بسر کرنے کی راہ ہموار کر رہا ہے، ان کا لہو بے کار نہیں گیا ہے۔ اسی نے کل بھی اقوامِ مسلم میں زندگی پیدا کی تھی اور جب جب ضرورت پڑے گی زندگی پیدا کرتا رہے گا۔ قومِ مسلم ایسے جیالوں کو سلام پیش کرتی ہے۔ ان کے کارناموں کو پڑھ کر زبان و قلم ہی نہیں آنکھوں کے آنسو بھی ان کو سلام پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو قومِ مسلم کا بیش بہا سرمایہ و وقار ہیں، یہ حضرات فخر اہل سنت ہیں، یہ ایسے دیدہ ور ہیں جو وقت پر جاں بازی کا فیصلہ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں، گفتار کے غازی نہیں کردار کے غازی





ہیں۔ یہ مر کر بھی زندہ ہیں اور ہزاروں لاکھوں زندوں سے بہتر ہیں۔ آپ نے اپنے اسلاف کو یاد کر کے ایک قرض اتار دیا ہے اور ہمیں ان ایسی بلند شخصیات سے جوڑ دیا ہے۔ آپ نے اہل قلم سے اہم مقالات تیار کرا کے تاریخی نمبر پیش کرا کے یادگاری کارنامہ انجام دیا ہے۔ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ ہر صاحب فکر اسے پسند کرے گا اور آپ کو داد دیے بغیر نہیں رہے گا۔ مولا ان نفوس قدسیہ کی صفات ہستیوں کے مزارات پر تا قیامت رضوان و غفران کے پھول برسائے اور وقت کو ان جنت نصیب کرے۔ ان کے بدخواہوں، حاسدوں کو ناکام و نامراد کرے۔ ملت میں ایسے سپوت پیدا ہوتے رہیں جن میں ظالم وقت کا پنجہ مروڑنے کی ہمت و طاقت ہو۔ [illegible] ولی محمد رضوی [illegible] سنی تبلیغی جماعت، باسنی، ناگور، راجستھان

## انقلاب 1857 نمبر پر مبارک باد

مفکر اسلام حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ

[illegible]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تسلیم! دو سال کا عرصہ ہوا آپ کے موقر جریدہ الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان ''ماہ نامہ اشرفیہ'' کے مطالعہ سے مکمل طور سے محروم رہا۔ اس لیے کہ مبارک پور سے بغرض درس و تدریس شمالی ہند کے ضلع رتناگیری میں ''دار العلوم امام احمد رضا'' چلا گیا کے بعد میرا سلسلہ رسائل و جرائد سے یکسر منقطع ہو چکا تھا، کیوں کہ ذرائع ابلاغ کے مستحکم نظام کے باوجود اس ادارہ میں بہت کم ہی رسائل پہنچ پاتے ہیں اور جو پہنچتے بھی تھے تو میری دسترس سے باہر تھے۔ اب یہاں آنے کے بعد سب سے پہلے میری نظر اگست ستمبر 2008ء کے مشترکہ شمارے پر پڑی جو انقلاب 1857ء کے حوالے سے ایک جامع اور مبسوط دستاویز ہے۔ اس نمبر کی اشاعت پر ہم آپ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اپنے اسلاف کے کارناموں اور وطن کی آزادی میں ان کی قربانیوں کو اجاگر کرنا ہمارا دینی و ملی فریضہ ہے، جس کے لیے آپ کی کوششیں لائق صد تحسین ہیں۔ رسالہ پڑھا، پڑھ کر خوشی ہوئی۔ سرورق جاذب نظر ہے۔ شمارے کے جملہ مشمولات قابل ستائش ہیں۔ خاص طور پر آپ کا اداریہ ''انقلاب 1857 کچھ مضمرات و حقائق'' بہت خوب ہے، جس میں وطن پر قابض غیر ملکی انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کو برانگیختہ کرنے کی علمائے اہل سنت کی جد و جہد کو سراہا گیا ہے۔ یہ سال تھا جب انگریزی حکومت کے پیچھے قرار دیا جو نا پاک عزائم کا پیغام تھا ان سے بھی پردہ اٹھانے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔ [illegible]

مسائل و مباحث کے کالم میں مولانا یٰسین اختر مصباحی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم اور مولانا ادریس بستوی کی نگارشات کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان میں خاص طور پر ڈاکٹر صاحب نے تاریخی حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس بات کا برملا اظہار کیا ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے افراد نے دجل و فریب اور کذب بیانی و دروغ بافی سے کام لیتے ہوئے علمائے اہل سنت و جماعت کی جنگ آزادی کے تعلق سے جاں نثاریوں اور قربانیوں کو فراموش کر دیا ہے، اور مولانا اسماعیل دہلوی و قاسم نانوتوی کو جنگ آزادی کا ہیرو ثابت کیا ہے۔ حقیقت تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد ان نام نہاد مورخین کو متعصب، تنگ نظر، تاریخ ساز اور کذاب و مفتری کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کچھ اپنی بھی کوتاہیاں ہیں جن کی وجہ سے ہمیں آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس جزم میں شریک اہل قلم اور علمائے فکر و دانش سے کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً اس رسالے کے اکثر قلم کار حضرات اپنے وقت کے یکتا اصحاب قلم میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دن بہ دن رسالے کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ کی پوری ٹیم صحت و سلامتی کے ساتھ خدمت دین کی راہ پر گامزن رہے۔ امتیاز احمد مصباحی [illegible] الجامعۃ الاشرفیہ، ملت نگر، مبارک پور

## اداریہ پر مغز اور جامع ہے

محب گرامی [illegible] علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری نظر سے ماہ نامہ اشرفیہ کا ''انقلاب 1857'' نمبر گزرا۔ میں نے اس نمبر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ کئی باتیں جو پردۂ عدم میں تھیں، اظہر من الشمس ہو گئیں۔ میں نے جب اداریہ کا مطالعہ کیا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ اداریہ پر مغز اور جامع ہے۔ اداریہ میں سطریں تو کم ہیں لیکن ان سطروں کی معنویت بہت ہے۔ تھوڑی سی عبارت میں کئی راز مضمر ہیں۔

مثلاً موصوف نے اپنے اداریہ میں ایک انگریز جنرل کا

قول نقل کیا ہے:

سر چارلس ٹریولین کہتا ہے: ''میرا یقین ہے کہ جس طرح ہمارے بزرگ کل کے کل ایک ساتھ عیسائی ہو گئے تھے، اسی طرح یہاں بھی سب کے سب عیسائی ہو جائیں گے۔ ملک میں مذہب عیسوی کی تعلیم بلا واسطہ پادریوں کے ذریعہ اور بالواسطہ کتابوں، اخباروں اور یورپینوں سے بات چیت وغیرہ کے ذریعہ نفوذ کرے گی۔ حتی کہ عیسوی علوم تمام سوسائٹی میں نفوذ کر جائیں گے، تب ہزاروں کی تعداد میں عیسائی ہوا کریں گے۔''

اس مذکورہ عبارت سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انگریزوں کی سوچ کیسی تھی اور یہ عیسائی ہندستان کس لیے آئے تھے۔ دراصل یہ لوگ اپنے مذہب عیسائیت کو فروغ دینے کے لیے ہندستان آئے تھے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امریکی صدر بش کی طرف سے چھیڑی گئی دہشت گردی مخالف جنگ در اصل مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے۔

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ کا مضمون بہت ہی معلوماتی ہے۔ اس مضمون میں موصوف نے یہ ثابت کر کے اہل سنت و جماعت کا بول بالا کر دیا کہ 1857ء کی جنگ آزادی میں دیوبندیوں کا وجود تھا ہی نہیں، بلکہ فرقۂ دیوبندی 1857ء کے بعد وجود میں آیا۔ میرے محبّ گرامی پروفیسر غلام یحیٰ انجم مصباحی صاحب قبلہ کا مضمون بہت ہی معلوماتی ہے۔ اندازِ تحریر شگفتہ، اسلوب شیریں ہے۔ حضرت نے اپنے مضمون میں کئی ایسی باتیں تحریر کیں جو پردۂ خفا میں تھیں۔ حضرت نے دیوبندیوں کے عقائد پر بھی روشنی ڈالی ہے اور حضرت نے اسماعیل دہلوی کے مارے جانے کا واقعہ روز روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ وہ سکھوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ توہینِ رسالت کے جرم میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ محترم جناب ڈاکٹر خواجہ اکرام صاحب نے اردو ادب کے تعلق سے بہت ہی وقیع تاثرات قلم بند کیے ہیں۔ ان کا انداز بیان بہت ہی نرالا اور اچھوتا ہے۔ انھوں نے کئی مضمرات سطحِ وجود پر بکھیر دیے ہیں۔ موصوف نے اپنے مضمون میں ثابت کیا ہے کہ علماے اہل سنت نے قلم اور اردو شاعری کے ذریعہ جہاد میں حصہ لینے کے لیے ابھارا ہے۔ خواجہ صاحب کا مضمون ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

''1857ء کے حوالے سے اردو ادب کا بہت ہی وقیع ذخیرہ ہے مگر المیہ ہے کہ ہم تعصبات کے شکار ہیں۔ ہم نے علما کی تحریروں کو یکسر نظر انداز کیا ہے اور اسے ادب کے دائرے ہی سے خارج کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ خود اپنا سرمایہ ہم اپنے ہاتھوں ضائع کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی بھی جو کچھ موجود ہے اس میں بھی علما اور مذہبی شخصیات کی تحریریں خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔''

مذکورہ عبارت سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علما نے ہندستان کو آزاد کرانے کے لیے کیا کیا نہیں کیا۔ اس نمبر میں شامل سارے مضامین نہایت ہی عمدہ ہیں۔ میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی ذات کو سلام کرتا ہوں کہ انھوں نے اتنا عمدہ خصوصی شمارہ نکالا ہے۔ یہ حضرت ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو دن دونی رات چوگنی ترقی دے، آمین۔

سید احمد القادری
انجھر شریف، اورنگ آباد، بہار

## یہ قدم مستقبل میں نشانِ راہ ثابت ہوگا

مکرمی ایڈیٹر صاحب ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاجِ گرامی! ماہ نامہ اشرفیہ کا خصوصی نمبر معرفت الحاج ظہیر غازی پوری صاحب باصرہ نواز ہوا۔ الحمد للہ آپ کی کاوش سے اس نمبر کی حیثیت ایک تاریخی دستاویز کی ہوگئی ہے۔ آپ نے تاریخ کے ماتھے سے گرد صاف کرنے کی جو کوشش کی ہے، اگر یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہا تو یقیناً نئی نسل کو گم راہ کرنے کی حریفوں کی سازش نہ صرف ناکام ہوگی بلکہ ہمارے اسلاف کی زریں خدمات کو فراموش کرنا بھی مشکل ہوگا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں اردو اخبارات کے کردار کے حوالے سے گاہے بگاہے مضامین پڑھنے کا موقع تو مل جاتا ہے، لیکن آپ نے فارسی اخبارات کے کردار کو پہلی بار سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے سنی شعرا و ادبا کی نشاندہی کر کے بھی ایک مستحسن روایت کی بنا ڈالی ہے، کیوں کہ عام ذہن اس طرح کی تخصیص کرنے سے قاصر ہے۔ مجموعی طور پر آپ کا یہ قدم مستقبل میں نشانِ راہ ثابت ہوگا۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔ خاک سار

محمد چاند نظامی، نمائندۂ خصوصی ''روز نامہ اخبار مشرق'' ہزاری باغ





## انقلاب 1857 کے حوالے سے اشرفیہ ہی نے پہلے پیش رفت کی

محبّ گرامی مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب دام ظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، جامعہ اشرفیہ کا علمی و فکری ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور ان دنوں نئی آب و تاب کے ساتھ تشریف لا رہا ہے۔ آپ کی ادارتی تحریریں بھی کئی خصوصیات لیے ہوئی ہیں۔ خدا کرے آپ اسی طرح قلمی خدمات انجام دیتے رہیں۔

انقلاب 1857ء کے ڈیڑھ سو سال پورے ہونے پر اس کے حوالے سے غالباً سب سے پہلے اشرفیہ ہی نے پیش رفت فرمائی، اس کے بعد مختلف رسائل نے جنگ آزادی کے تعلق سے مفصل تحریریں شائع کیں۔ اس سے آپ کی مدیرانہ صلاحیت کے ساتھ مدبرانہ استعداد کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ بلاشبہہ اس طرح کے کتب و رسائل سے حقائق سے پردہ اٹھتا ہے اور قارئین کو جانکاری ملتی ہے کہ تحریکِ آزادی کے مجاہدین میں علماے اہل سنت کی اکثریت رہی اور انھوں نے ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا خصوصی کردار پیش فرمایا۔ مطالعہ کھرے کھوٹے میں امتیاز کراتا ہے۔ بغیر مطالعہ حقائق سے کما حقہ واقفیت نہیں ہو پاتی۔

اللہ کریم آپ سے دین و مسلک کی مزید خدمات لیتا رہے اور ملک کی بقا و تعمیر کے لیے بھی اپنا مثالی تعاون پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان شاء اللہ 1857ء نمبر اپنے اچھے تاثرات چھوڑے گا۔

غلام مصطفیٰ قادری رضوی
باسنی، ناگور، راجستھان

## خصوصی شمارہ معنوی حیثیت سے اہم ہے

مدیرِ محترم ماہ نامہ اشرفیہ سلام مسنون

ماہ نامہ اشرفیہ کا خصوصی شمارہ ''انقلاب 1857ء نمبر'' طویل انتظار کے بعد زینت نگاہ بنا۔ یہ خصوصی شمارہ اپنی ضخامت کے اعتبار سے اگرچہ مختصر ہے، لیکن معنوی حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ انقلاب 1857ء پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اربابِ قلم نے تاریخِ انقلاب پر بڑی ضخیم ضخیم کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ سال گزشتہ اور سال رواں میں معاصر رسالوں نے اپنے اپنے طور پر خصوصی شمارے پیش کیے لیکن انقلاب 1857ء کے ایک خاص اور اہم گوشے یعنی علماے اہل سنت کی قربانیوں اور ان کی جد و جہد یا تو یکسر فراموش کر دیا گیا یا پھر ان جاں باز اور پاک طینت نفوس کے ضمنی تذکرے پر ہی اکتفا کیا گیا۔ جب کہ انقلاب 1857ء کے اصلی قائد اور روح رواں یہی علماے اہل سنت تھے۔ لوگوں میں جہاد کا جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے ان علماے کرام نے بڑی پر جوش تقریریں کیں، ہندستانیوں کی غیرت و حمیت کو للکارا، انگریزوں کے خلاف اشتعال انگیز مضامین لکھے، فتواے جہاد مرتب کیا، اپنی ان مجاہدانہ سرگرمیوں کی وجہ سے بعض علماے کرام کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ انگریز حکام کے ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑا۔ بالآخر آزادیِ ہند کے تئیں علماے کرام کی مخلصانہ کوششیں بار آور ہوئیں اور ایک طویل جد و جہد کے بعد 15/ اگست 1947ء کو اہل وطن کو آزادی کا سویرا نصیب ہوا۔

لیکن ہندستانی تاریخ کا یہ نہایت افسوس ناک پہلو ہے کہ اکثر تاریخ نگاروں نے علماے کرام کی ان خدمات اور کارناموں پر حتی الامکان پردہ ڈالنے کی کوشش کی، تاریخ گوئی سے زیادہ تاریخ سازی سے کام لیا۔ جو لوگ انگریزوں کے حامی، وفادار اور وظیفہ خوار تھے، انھیں انقلاب 1857ء کا اصل ہیرو بنا کر پیش کیا۔

مدیرِ محترم! میں آپ کو اور ادارۂ اشرفیہ کے جملہ رفقاے کار کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں، کہ آپ نے انقلاب 1857ء کے اس خصوصی گوشے کی طرف توجہ دی اور عصر حاضر کے معتمد و مستند اصحاب قلم کی نگارشات پیش کر کے انقلاب 1857ء میں علماے اہل سنت کی قربانیوں کو اجاگر کیا۔

نمبر میں شامل تمام مضامین عمدہ اور معیاری ہیں خصوصاً مسائل و مباحث کے کالم میں رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی، مفکر اسلام مولانا ادریس بستوی اور پروفیسر غلام یحیٰ انجم مصباحی کی تحریریں بصیرت افروز اور چشم کشا ہیں، ''1857ء کا جہادی پہلو صحیح یا غلط'' کے عنوان سے مولانا شہباز عالم مصباحی نے نہایت تحقیقی و علمی گفتگو کی ہے، معروف ادیب و نقاد ڈاکٹر خواجہ اکرام کا مضمون ان کی انوکھی فکر اور نرالے اسلوب کا حسین امتزاج ہے۔ بار بار پڑھا، ہر بار محظوظ ہوا۔ مولانا شکیل احمد مصباحی اور جناب مہتاب پیامی کی تحریریں بھی قیمتی اور معلوماتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ادارۂ اشرفیہ کو مزید مستحکم فرمائے۔ آمین۔

محمد ساجد رضا مصباحی
جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف، (یو. پی.)

# خبر و خبر

## جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگپور میں سالانہ اجلاس

بفضلہ تعالیٰ ہر سال کی طرح امسال بھی شب براءت کے موقع پر جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگپور کے دو روزہ اکتیسویں سالانہ اجلاس و جلسۂ دستار بندی کے موقع پر ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے علمائے کرام نے قوم سے خطاب فرمایا اور ہزاروں سامعین شریک اجلاس ہوئے، نیز اس سال کے دس طلبہ نے حفظ قرآن مکمل کیا اور ان دس حفاظ کی دستار بندی کی گئی۔ جامعہ میں شروع سے ہی شعبۂ حفظ و قراءت، شعبۂ عربی و فارسی و شعبۂ نشر و اشاعت اور دار الافتاء و دار القضاء قائم ہیں۔ نیز شعبۂ علوم عصریہ کا قیام حضور فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا الحاج الشاہ مفتی محمد عبد الرشید رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ عربیہ ناگپور کے شہزادے مولانا مفتی محمد عبد القدیر صاحب کی سرپرستی میں عمل میں آچکا ہے، جس میں تاج الطبیہ کالج، شریعت کالج، ام سلمیٰ گرلس کالج (برائے طالبات) (انجینئر اینڈ میڈیکل) اور رشیدیہ کے جی ٹو پرائمری اسکول کے ساتھ ہائی اسکول قابل ذکر ہیں جو اسلامی و دینی ماحول میں چلائے جارہے ہیں۔

**از: محمد عبد اللطیف انصاری، سکریٹری جامعہ عربیہ اسلامیہ**

## سلطان پور میں جشن یوم رضا

11 اکتوبر 2008ء مطابق 10 شوال 1429ھ بروز سنیچر عیدگاہ روڈ زبیر مارکیٹ غوثیہ مسجد سلطان پور میں حضور اعلیٰ حضرت کی ولادت کے موقع پر "جشن یوم رضا" منایا گیا، جس میں مقامی و بیرونی علما و مداحان رسول شامل ہوئے۔ جلسہ کی صدارت مولانا بلال احمد خان اشرفی نے کی۔ آغاز حافظ لئیق کی تلاوت کلام پاک سے ہوا اور نظامت مولانا عبد الخالق نے کی۔ قاری رمضان احمد مصباحی، جنید احمد، وحبیب احمد اشرفی نے نعت و منقبت پیش کیے۔ مولانا دلشاد احمد نوری و مولانا شکیل احمد مصباحی نے اعلیٰ حضرت کی دینی و علمی بصیرت کا مذکرہ کیا۔ مولانا مدثر اشرفی نے اپنی تقریر میں کہا اعلیٰ حضرت ایک سچے عاشق رسول اور محب اہل بیت تھے جن کی نظیر اس دور میں نہیں۔ عقیل احمد قادری نے اپنی تقریر میں کہا کہ امام احمد رضا خان اس دور میں حق کی پہچان ہیں اور اعلیٰ حضرت کی کسوٹی پر ہی ہم اچھے برے کو پہچان لیتے ہیں اور آخر میں مولانا طارق حسین صاحب (مدرس جامعہ عربیہ سلطان پور) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ 28 دن میں قرآن مجید حفظ کر لینا اعلیٰ حضرت کی انفرادی شان ہے۔ اس جلسہ میں مولانا غلام سرور، اختر رضا عطاری، مقبول نوری وغیرہ شامل تھے۔ جلسہ کا اختتام صلاۃ و سلام اور مولانا بلال احمد اشرفی کی دعا پر ہوا۔

**از: عقیل احمد قادری، صدر انجمن محمدیہ، سلطان پور**

## گلشن فاطمہ میں حجاج کرام کی تربیت

ارکان اسلام میں حج بڑی اہمیت کا حامل ہے جو صرف مالک نصاب پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے، جس کی ادائیگی میں جسمانی طور پر کافی محنت و مشقت کے ساتھ کثیر رقم بھی صرف ہوتی ہے۔ اگر اس میں ہم نے ذرا بھی لاپروائی سے کام لیا تو سارا پیسہ اور ساری محنت بے کار جائے گی۔ ان تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے دار العلوم گلشن فاطمہ کے بانی محمد رئیس اشرفی نے گلشن فاطمہ میں حجاج کرام کے لیے ماہر اور تجربہ کار علمائے کرام کی خدمت حاصل کرکے 19 اکتوبر 2008ء کو تربیت کا انتظام کیا۔ سنبھل سے تشریف لائے قاری محمد عرفان صاحب نے سفر کے متعلق ضروری معلومات دیتے ہوئے احرام اور عمرہ کے مسائل سے بھی واقف کرایا اور ساتھ ہی عملی طور پر بھی رہنمائی فرمائی۔ بعد میں مولانا ضیاء المصطفیٰ سنبھلی نے حج سے متعلق مختلف طور پر مسائل بتاتے ہوئے طواف کے بارے میں جانکاری دی اور دوران طواف حادثات سے بچنے کے طریقے بھی بتائے۔ دوسری نشست جو بعد نماز ظہر شروع ہوئی، مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے منیٰ، مزدلفہ، صفا و مروہ کے متعلق معلومات دیتے ہوئے ایام حج میں عورتوں کے مخصوص مسائل پر روشنی ڈالی اور مدینۃ المنورہ کے احترام کا ذکر کرتے ہوئے مسجد نبوی شریف کے آداب سے بھی روشناس کرایا۔ آخر میں مجلس کے صدر حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب نے کعبہ کے نقشہ کو سمجھاتے ہوئے میزاب رحمت اور حطیم کے متعلق چند ضروری باتیں ذہن نشین کرائیں۔ بعد میں حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں سلام کے بعد دعا کرائی۔ اس موقع پر مولانا محمد الیاس نوری، قاری محمد قاسم، قاری فراست، مولانا مختار، مولانا عظمت، قاری عبد الغنی وغیرہ شریک اجلاس رہے۔

**از: منیجر گلشن فاطمہ، پلادی، مرادآباد**

R.N.I. No.: 29292/76 Regd No.: AZM/N.P.28

# THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)-276404 Phone:(05462)250092, 250149, Fax:251448
http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org




## ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کا

# انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر

منظر عام پر آچکا ہے

یہ نمبر حسب ذیل ابواب کے تحت گراں قدر تاریخی حقائق
اور معلوماتی مضامین پر مشتمل ھے

- انقلاب 1857ء — مسائل ومباحث
- انقلاب 1857ء — کے چند فکر انگیز پہلو
- انقلاب 1857ء — میں فارسی اور اردو شعر وادب کا کردار
- انقلاب 1857ء — کی سرکردہ شخصیات
- انقلاب 1857ء — اور مابعد انقلاب 1857ء

صفحات ۱۱۲
قیمت ۲۵ روپئے

خواہش مند حضرات اولین فرصت میں رابطہ قائم کریں۔

ملنے کا پتہ: دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۷۶۴۰۴

Ph. No. 05462-250149